

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَہُوَ شَہِیْدٌ ۵۰

الحمد للہ علی احسانہ کہ کتاب

سفرنامۂ شیخ الہند

یعنی زبدۃ الکاملین قدوۃ العارفین خاتم المحدثین امام العلماء تاج الفقہاء رئیس الاتقیاء

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اسیر مالٹا کے حالات سفر

جو

سفرنامہ اسیر مالٹا حیات محمود سوانح شیخ الہند

کے نام سے طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں

مرتبہ و مؤلفہ

شیخ الحرم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ مدنی اسیر مالٹا

باہتمام خاکسار محمد احمد بچھرایونی غفرلہ متعلم دارالعلوم دیوبند

سٹار پریس حوض قاضی دہلی میں چھپوایا

مختصر فہرست کتب نایاب دینیہ درسیہ وغیر درسیہ

خلاصۃ الفتاوےٰ

موسوم مجموعۃ الفتاوےٰ

یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے مشہور و معروف فقیہ حنفی شیخ امام طاہر بن عبد الرشید بخاری کی تصنیف ہے امام موصوف علماء ماوراء النہر میں ایک بےنظیر امام تھے جنکا سلسلۂ تلمذ چند وسائط سے امام محمد رح تک پہنچتا ہے۔ مولانا عبد الحی رح لکھنوی سے ان کا ترجمہ فوائد بہیہ میں نہایت وزندار الفاظ میں کرتے ہوئے خلاصۃ الفتاوی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ ھو کتاب معتبر عند العلماء معتمد عند الفقہاء۔ امام موصوف نے شروع کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ میں نے اول علم فتاوی میں دو کتابیں تصنیف کی تھیں خزانۃ الواقعات۔ الاکتساب النصاب پھر بعض احباب نے فرمایش کی کہ دونوں کا خلاصہ ایک جگہ کر دیا جائے تو زیادہ نفع کی توقع ہے اسلئے دونوں کی تلخیص کر کے خلاصۃ الفتاوی نام رکھا صاحب کشف الظنون اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں وھو کتاب مشہور معتمد یعنی یہ کتاب خلاصۃ الفتاوی مشہور و معتبر کتاب ہے اس کے معتبر و معتمد ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام المحدثین والمحققین حافظ جمال الدین زیلعی رح نے جس طرح ہدایہ کی احادیث کی تخریج نصب الرایہ لکھی ہے اسیطرح خلاصۃ الفتاوی کی احادیث پر بھی تخریج لکھی ہے (کذا فی کشف الظنون) لیکن افسوس کہ آج یہ تخریج نایاب ہے یہ درۂ بےبہا خلاصۃ الفتاوی، ہم نے بصرف زر کثیر نہایت خوشخط عمدہ کاغذ پر طبع کرایا ہے جس کی چار ضخیم جلدیں ہیں علاوہ بریں یہ کہ اسکے حاشیہ پر مجموعۃ الفتاوی مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رح کی تینوں جلدیں زبان فارسی میں ترجمہ کر کے اس کتاب کے منافع کو دوگنا کر دیا گیا ہے چاروں جلدوں کی قیمت بایں ہمہ صرف آٹھ روپے (ﷲ) علاوہ محصولڈاک

خلاصۃ الفتاوی کے متعلق صدر مدرسین دار العلوم دیوبند کی تحریر

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ علماء کرام و متعلمین کی عالی خدمت میں عرض گذار ہے کہ خلاصۃ الفتاوی مندرجہ اعلان فقہ احناف کی معتبرات میں بڑے درجہ کی کتاب ہے مصنف اسکے صاحب ہدایہ کے شیوخ کے طبقہ کے ہیں اور صاحب تصحیح و ترجیح مسلم ہیں اور کتاب بھی بہت سہل المأخذ بلکہ سہل ممتنع عبارت کی ہے امید کہ حضرات علماء و متعلمین اسکی قدر فرمائینگے ٭ ازناں چہ قدر کردہ ام این جنس گراں را

شرح التعرف

یہ کتاب علم تصوف کی ایک عجیب جامع کتاب ہے اس کا متن کتاب التعرف لمذہب التصوف ہے جس کے مصنف چوتھی صدی ہجری کے مشہور و معروف امام شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری ہیں صاحب کشف الظنون اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ھو کتاب مختصر مشہور اعتنی بشانہ المشائخ و قالوا فیہ لولا التعرف لما عرف التصوف یہ مختصر کتاب مشہور ہے مشائخ نے اس کے علو مرتبہ کا اقرار کیا اور کہا ہے کہ اگر کتاب تعرف نہ ہوتی تو تصوف کی حقیقت نہ معلوم ہوتی ۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ نے اس کی شرحیں لکھی جن میں سے ایک شرح وہ ہے جس کا ہم اشتہار دے رہے ہیں یعنی امام اسمٰعیل بن محمد بن عبد اللہ مستملی بخاری کی شرح جو کہ مصنف علامہ کے ایک جلیل القدر شاگرد ہیں یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ اور لکھائی چھپائی نفیس ہے چاروں جلدوں کی قیمت صرف چار روپے آٹھ آنے (للعہ)

فہرست مضامین سفرنامہ اسیر مالٹا شیخ الہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا
ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان
سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

امابعد حسب الارشاد احباب و اکابر مدت دراز سے قصد تھا کہ حضرت مولانا ومقتدانا ووسیلتنا وذریعتنا
فی الدارین حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین مولانا **محمود حسن** صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے
احوال سفر حجاز ومصر ومالٹا وغیرہ قلمبند کروں لیکن بدقسمتی سے اسقدر گوناگوں موانع خلاف امید پیش آتے رہے
جنکی وجہ سے ابتک یہ آرزو میدان ظہور میں جلوہ نما نہ ہوسکی۔ چونکہ جن بزرگوں نے مجکو اس تحریر کا حکم فرمایا تھا
اُنمیں زیادہ برگزیدہ اور میرے لئے واجب الاطاعت اور جنکی تابعداری میرے لئے سعادت دارین ہے میرے
وسیلہ دنیا وآخرت میرے ہادی ورہنما میرے ماوا وملجا مجکو اللہ اور رسول سے ملانیوالے قطب العالم شمس العالمین
امام الفقہاء والمحدثین مرکز دائرۃ الحقیقت منطقہ سموات الطریقت فخر الاکابر ملاذ الاصاغر مرشدئی مولائی مولانا
رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہ العلیۃ وامدنا بفیوضاتہ البہیۃ الانصاری الگنگوہی کی صاحبزادی
اور محترمی ومعظمی جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی دام مجدہٗ کی والدہ ماجدہ دام مجدہا ہیں۔ اس لئے امتثالاً للامر
میں اس کو تحریر کرتا ہوں اور اُنکی خدمت اقدس میں نذر کرکے اُن کی دعوت صالحہ کا اُمیدوار ہوتا ہوں۔

مولانا مرحوم کے جملہ احوال وسوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں نہ منظور ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت اور
واقفیت ہے۔ مجکو بیشک ایک عرصہ دراز اپنی عمر کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیخدمت میں پیش کرنیکا ملا اور اسمیں حضرت
کے گہربار فیض سے اپنی استعداد و تنگ اور اپنی قسمت لنگ کیموافق کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور ہوا مگر نہ تو وہ مدت حضرت
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ کرسکتی ہے اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابل وقعت شمار ہوسکتی ہیں
میں سنہ ۱۳۰۹ ہجری کے ابتدا میں جبکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیالیس ۴۲ برس کی تھی **دیوبند** حاضر ہوا چونکہ

میرا وہ زمانہ طفولیت اور صغر سنی کا تھا یعنی بارھواں یا تیرھواں سال تھا کتابیں بھی بالکل ابتدائی پڑھتا تھا۔
عقل و فراست تو نہ جب تھی نہ اب ہے، اس لئے جامع اکابر میں حاضر ہونا اور ہر قسم کے احوال روحیہ و علمیہ سے
فیضیاب ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا۔

اسمیں شک نہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جسکا انکار کرنا سراسر کفران نعمت ہی) مجھ نالایق
کے حال پر اس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اس وجہ سے ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرت رح
سے پڑھنے کی نوبت آتی رہی۔ حالانکہ بڑی کتابوں کے پڑھنے کے شایق وقت تک نہیں پاتے تھے مگر مولانا مرحوم
کے لطف و کرم نے اپنے ناچیز نام لیوا کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا گوہر سے محروم نہ کرنے دیا۔

رفتہ رفتہ جب عقل و شعور کچھ آیا اور ۱۳۱۶ھ ہجری میں کتابوں کے ختم کرنیکی نوبت آئی تو سفر حجاز پیش آیا اور معیت
حضرت والد صاحب مرحوم وہاں مقیم ہونا پڑا جسکی وجہ سے مولانا مرحوم کی حضوری سے ایک گونہ محرومی رہی ۱۳۱۹ و ۱۳۲۰ھ ہجری
میں جب کہ پہلے سفر ہند میں احقر حاضر ہوا تو اکثر مدت اقامت گنگوہ شریف اور مختلف سفروں میں گذری حالانکہ
اس سفر میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا۔ اسلئے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت فیض درجت سے
اس مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی۔

۱۳۲۶ھ ہجری میں جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو ٹھیک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر رہا اگرچہ حسب قول مشہور

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل + کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

محرومی اور ناکامی نے اپنے کرشموں کے دکھلانے میں کوئی کمی نہ کی بادی افکار دنیاوی خیالات سفلی ہمتوں،
اخلاقی کمزوریوں نے کبھی بام ترقی اور استفادہ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نہ کرنے دی۔

تیسرا سفر ۱۳۳۲ھ میں واقع ہوا جسمیں فقط چند ماہ قیام ہوا مگر وہ بھی مختلف اسفار و افکار ہی کے نذر ہونیکی وجہ سے باعث محرومی رہا
الحاصل میں ہرگز اتنی علمیت اور واقفیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہٗ العزیز کے جملہ احوال قلمبند کر سکوں
ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری واقفیت کی حیثیت سے اس سفر حجاز اور اس کے بعض احوال کے متعلق کچھ
ضرور عرض کروں گا۔

لیکن قبل از عرض اتنا ضروری پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ جب مسلمہ اکابر "قدر جوہر شاہ داند یا کہ داند جوہری"
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنیہ اور فضائل علمیہ کی اطلاع حقیقۃً یا تو خود جناب باری عز اسمہ کو ہو سکتی
ہے یا ان اہل اللہ اور علمائے فحول کو جن کو خداوند کریم نے چشم تحقیق اور بصیرت کاملہ عطا فرمائی ہے۔ ہم

جیسے مادر زاد اندھے کیا پہچان سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجکو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئی قالب اور عام پسند طرز میں لانیکا نہیں۔ اگر بتکلف اسکو لانا بھی چاہتا ہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہے نہ اسقدر مشق ہے کہ طبیعت ثانیہ کا حکم لے چکا ہو اس لئے عاجز رہ جاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین مجکو ایسی ہفوات اور عبارت کی غلطیوں پر معاف فرمائیں۔

حسین احمد مہاجر مدنی

مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہوگا اور اُن کے اخلاق لائقہ پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی سات اقالیم سبعہ اُس کے ایک زاویہ میں بھی اپنا پتہ تبلا نہ سکتی تھیں۔

اُس نے بحر امدادی سے فیوضات حاصل کئے مگر ڈکار نہ لی اس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں مگر ہضم کر گیا اُس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہوا۔ دعوی نہ کیا شطحیات نہ شنائیں۔ استقامت سے نہ ہٹا۔ شریعت کو نہ چھوڑا عشق میں گھل کر لکڑی ہو گیا۔ مگر دم نہ مارا۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ⁂ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

روحانیت کی بھینی بھینی باد صبا اس کے سویدا اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھیں مگر وہ دائرۂ تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا۔ نسبت چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوز بجلی اس کے اطراف و جوانب اور اعضائے رئیسہ کو سوخت کرتی رہتی تھی مگر مثل شمع سوزاں کبھی اُف نہ کرتا تھا۔ طریقت کے خوش آیندہ احوال اس پر متجلی ہوتے رہتے تھے۔ مگر کبھی آواز ادنی لوگوں کو سُننے نہ دیتا تھا۔

اُس نے فقط باطنی فیوضات کے لئے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود مجتہد و حدیث و فقہ و امام تفسیر و کلام وغیرہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو دفتر علماء میں شمار نہ ہونے دیا۔ اس کی کسی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے آپ کو عالم اور ہادی خلق یکتائے زمانہ

شمار کرتا ہے۔ اس نے جس فروتنی سے اور کسر نفسی سے اپنی زندگانی گذاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ۔ ہم نے مولانا کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہے بلکہ خود اُن کے اُن معاصرین کو جنھوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علماء تو درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لے گئے ۔ پھر جب کہ کوئی فرد بشر اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی تھیں۔ اغراض و نفسانیت کا اُن میں نام و نشان بھی نہ تھا تو حسب قاعدہ نبویہ :-

من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ | جس نے اللہ کے لئے فروتنی اختیار کی اُسکو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی علوشان کا بارگاہ رب العزت میں پتہ چلتا ہے ۔ اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا وہ سب کچھ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرارہما ہی کا فیض تھا مگر حسنِ قابلیت اور مبدا فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب عدیم النظیر شگوفہ بنادیا تھا۔ اللّٰھم ارض عنہ وارضہ وامدنا بامدادہ ۔ آمین ۔

اس قلب کو جس طرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اس قدر عطا فرمایا تھا کہ واقف احوال دنگ رہجاتا تھا ۔ لوگوں کے وہ عیوب و اخلاق جن کو بڑا حلیم الطبع دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے مولانا کی جبیں پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے معصیت خداوندی میں تو دوسری حالت تھی ۔ مگر غیر معصیت اور اصلاحِ خلق میں اور علیٰ ہذا القیاس تکالیف و آزار کے برداشت کرنے میں تو وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے نہ بجلی گرا سکتی ہے ۔

اسی تحمل اور قصدِ اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت وغیرہ کے کہدینے کی بھی نوبت آئی ۔ مگر جب کہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پر اُن کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر مقر ہوئے ۔

فطرۃ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا تھا جس کی نظیر وہ آپ ہی آپ تھے ۔ جن لوگوں نے مولانا کے حلقہ درس میں کچھ زمانہ گذارا ہوگا اور پھر دوسرے علماء زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہ یہ شعر صادق آتا ہے :-

ماشبهٔ علماء البریۃ منکمو　　　الا کشبۂ الدھر من آسار الشھری

خداوند کریم کے کمالات کی جس طرح کوئی حد و نہایت نہیں اسی طرح اُن کی فیاضیوں کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

جب کبھی کسی نے شعر و سخن میں مولنا سے مذاکرہ کیا ہے تو اس قدر اردو فارسی عربی کے اشعار اُس کو سننے پڑے ہیں کہ اس کو سوائے حیرانی اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی پھر اس پر طرہ یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع وہ عطا فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اس میں تمیز کامل فرماتے تھے وہ اعلیٰ درجہ کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقۂ علماء تو درکنار حذاق شعراء بھی عش عش کر جاتے تھے۔

قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک یہ بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے قلب و دماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت، مذہبی حمیت، قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔ وہ فقط مدرسہ نشین یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمت پر اکتفا نہ کر سکتے تھے۔ اُن کی ہمت مردانہ اُن کو چین نہ لینے دیتی تھی اُن کو قومی جذبات ہر وقت بے قرار رکھتے تھے۔ ان کی مذہبی حمیت اُن کے لئے تمام مصائب سہل کرتی تھی اُن کی انسانی غیرت اغیار سے جوڑتی اور نا اہل اپنوں سے توڑتی رہتی تھی۔ اُن کی اسلامی اور وطنی ہمدردی اُن کو کبھی اپنے سن و سال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی۔ اُن کو اس راہ میں نہ عزت کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز و اقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی۔

ابتدائی تحریک

بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بیچین کنندہ اثر ڈالا چنانچہ اُس وقت حسب طریقہ استادِ اکبر مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (درجنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی فتوے چھپوائے مدرسہ کو بند کرایا، طلباء کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے، چندے کئے، اور ہر طرح سعی کی ترغیب دیکر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ مگر اس پر بھی چین نہ پڑا۔ کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دور بینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنے کی فکر میں ہیں، پھر زمانہ ارّان برطانیہ مسٹر اسکویتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں خرس روس کی جفاکاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجزار وصایائے گلیڈسٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے جو مقاصد مسیحی دنیا کے زمانہ دراز

سے چلے آرہے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کے بوٹی بوٹی کئے جا رہے تھے اب
اُن کے انتہا کا زمانہ آگیا ہے اب کوئی دن میں اسلامی وجود دنیا سے اسی طرح مٹا دیا جائے گا جس طرح
یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا زندگی
بھاری ہو گئی نیند اُوچٹ گئی مگر زمانہ کی تاریکیاں، موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں مسلمانوں
اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں۔ چونکہ اس
مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بھروسہ تھا۔ اس لئے اس نے تمام خیالات اور اوہام پر لاحول
پڑھا اور مردانہ وار گامزن ہوا اُس کو مشکلوں کا سامنا ہوا۔ اس کو سخت اور تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا
پڑا اس پر بادِ سموم کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے۔ اُس کے لئے احباب و اقارب مارِ آستین
بن گئے ہر شخص ناصح بن کر سدِ راہ ہوا مگر اُس کے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش نہ کی سب کو
چھوڑ دیا مگر اپنے خدا پر بھروسہ کر کے دن و رات کام میں لگا رہا چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے
اُس کو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابھی تک دنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کام لینے والے
بہت کم ہیں مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر اُن کو جمع کرنے والا نہیں۔

چونکہ میں اُس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا اس لئے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز
ہوں مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے ایسے تیرہ و تاریک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا۔ میرے معزز
ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ نہ کہہ بیٹھیے کہ کون سا ملک فتح کر لیا یا کون سی حکومت قائم کر لی یا کون سا
کار نمایاں دکھلا دیا۔ میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی طرف آنکھ اُٹھانا سنہ شادی
کا سماں باندھتی تھی۔ آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اس کا پتہ پانی ہو جاتا تھا۔ خود مختار
حکومت کی خواہش زبان پر لانا برقِ جہاں سوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی۔ برطانی ہوّے نے عالم
کے دل و دماغ پر اپنا کانٹا جما رکھا تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ لوگوں کے دلوں پر جس قدر موجودہ حکومت
کا خوف تھا اس قدر بلکہ اس کا عشر عشیر بھی خدائے قہار کا اثر نہ تھا جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں
اسی خیال میں ہیں تو غالباً میں دروغ گو شمار نہ کیا جاؤں گا۔ ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہم
خیال بنا لینا بڑی کامیابی ہے۔

حضرات! بنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہے پھر تو مکان کا تعمیر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ الحاصل مولانا

نے اسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنے والوں کے لئے جن کو مدت سے تحیر اور مدہوشی تھی مگر طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا۔ شاہراہ عمل قائم کر دی۔ اصحاب دل اور ارباب درد خوشی خوشی مولانا کے ہمراہ ہو گئے اور علاوہ اس کے اور بھی بہت سے کام ہو گئے جن کو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اثناء میں فلک نے نیا گل کھلایا اور جنگِ عمومی کے تیرہ و تاریک بنیاد پڑ گئی سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ بستیاں کی بستیاں برباد ہونے لگیں۔ بر و بحر میں فتنہ و فساد پھیل گیا۔ مظلوم و بیمار ٹرکی پر بھی جور و جفا کی آندھیوں نے اندھیرا پھیلایا۔ ابھی تک اس نے بلقان کے تباہ کرنے والے صدموں سے سنبھالا نہ لیا تھا کہ ایک خونخوار بلا ناگاہ اس کے سر پر آ دھمکی۔ دشمن جو کہ مدتوں سے تقسیم ٹرکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھ کر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے۔ عراق میں تول کی سازشیں، سوریہ میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں، حجاز میں برسوں کی خفیہ کوششیں، آرمینیہ میں فرقوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں۔ پیٹر اعظم کی قدیم وصیتیں، فرانس اور گلیڈسٹون کی قلبی خواہشیں پھول اور پھل لانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اس ایک زبان اسلام پر بتیس (۳۲) مسیحی دانتوں نے خوب زور آزمائی کی۔ ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں سے اس کو دبانا شروع کیا اس کے بنے بنائے مکمل وہ ڈریڈناٹ جن کو اس نے اپنے خون سے بنوایا تھا اپنی قوم پر فاقے گوارا کر کے جیبوں سے کروڑہا پونڈ نکلوا کر تیار کرائے تھے۔ برطانیہ نے عمداً چھین لئے۔ ہر ہر محاذ پر قوت جنگی جمع کر دی گئی۔ الحاصل ایسے گوناگوں معاملات کئے گئے جن کی وجہ سے مجبوراً خلافت کو بھی ایک ایسے فریق کا ساتھ دینا پڑا جس کا ضرر گذشتہ زمانہ میں عالم اسلام پر بہ نسبت فریق ثانی نہایت ہی کم تھا۔ اور جس سے بہت زیادہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ استقبال میں عالم اسلام کے لئے مفید اور ان کی آزادی کا ہمدرد ہوگا۔

مولٰنا مرحوم کی حالت ابتدائے جنگ میں اور گورنمنٹ کو بدظنی کی وجہ

اس حالت میں مولٰنا مرحوم کے قلب حزیں پر نہایت زہریلا اثر ڈالا۔ ان کو ناانصافیوں نے بیحد بے چین کر دیا ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی رہتی تھی۔ چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافت ٹرکی باقی رہ گئی تھی۔ اس لئے جملہ اہل ایمان کو اسی سے لگاؤ اور تعلق تھا۔ اسی لئے قلباً اور غالباً اسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اگر اس جنگ کے زمانہ میں بھی مثل بلقان ہلال احمر وغیرہ کے چندوں کی اجازت ہو جاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوش دینے کی کسی قدر صورت ظاہر ہو جاتی مگر اس زمانہ میں تو یہ امر بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اس کو کوئی علاقہ

نہ تھا جرم خیال کیا جانے لگا۔ خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہونے لگی یہاں تک کہ بعض مقامات میں خلافت کے لئے دعا کرنا بھی جرم شمار کیا گیا۔ ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کئے گئے اور خلافت اسلامیہ کے تعلقات کو پوچھا گیا عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا بہت سے علماء سوء نے خلافت ٹرکی کے متعلق فتاوی میں زہر اگلنا شروع کر دیا۔ بہتیروں نے خوف زدہ ہو کر سکوت یا ذو وجہین بیان کو ترجیح دیا۔ عام پبلک نے ہر طرح خلاف اسلام داد دی۔ پھر جب کہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع کر دیا کہ یہ جنگ ٹرکی سے سیاسی ہے مذہبی نہیں تب تو کھلے ہاتھوں منافقین کو میدان میں کھیلنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ان واقعات سے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بیحد بھڑکا دیا۔ چونکہ مولانا کی غیرت دینی بہت بڑھی ہوئی تھی ان احوال کو دیکھ کر اپنے آپے میں نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے بسا اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور مغائر سیاست جوش مذہبی میں نکل جاتے تھے جن کی وجہ سے گورنمنٹ کے ہوا خواہوں، دشمنان اسلام، خواہشات نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھرنے کا اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ وہ دشمنان مولانا مرحوم جن کو مدتوں سے آرزو تھی کہ وقت ہاتھ آئے کہ مولانا کی تذلیل و توہین کا سامان ہو۔ اُن کی آرزو پوری ہو گئی (دنیا میں کوئی کتنا ہی صلح جو کیوں نہ ہو دشمن اور دوست سے خالی نہیں رہ سکتا خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع انام ہو جاتی ہے۔ اس کے دشمن بھی ضرور بہت ہوتے ہیں) ادھر وہ فتوی جو در بارہ عدم استحقاق خلافت ٹرکی تھے دو مرتبہ پیش کئے گئے دونوں مرتبہ مولانا نے رد کر دیئے۔ اور جن لوگوں نے اس پر لکھا تھا سخت کلمات استعمال کئے مجمع عام میں اُن کو پھینکدیا۔ چونکہ یہ فتوے باشارہ یا بامر گورنمنٹ تھے اس لئے اُن کی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقع ہاتھ لگا (چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت مصر میں سوال کیا گیا) مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ ان فتووں کے محرر اور موجد تھے۔ سرحد افغانستان میں بھی اُن ایام میں واقعات پیش آئے۔ اور گورنمنٹ کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ چونکہ عام طور پر قبائل میں اس قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی باغستان یا افغانستان وغیرہ کے مولانا مرحوم کے شاگرد یا اُن کے معتقد ہیں۔ اس لئے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اور بھی زیادہ موقع ہاتھ آ گیا اور یہ سمجھا گیا کہ جو تحریکات جہاد قبائل یاغستان میں ہو رہی ہیں وہ سب مولانا کے اشارہ سے ہیں۔ اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا مرحوم کے جوش زمانہ جنگ بلقان وطرابلس سے بھی گورنمنٹ کو بدظن کرنے کا نفع اٹھایا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ادھر تو جنگ کے واقعات مولانا مرحوم پر اثر ڈال رہے

تھے۔ ادھر گورنمنٹ کو بدظنی بڑھتی جاتی تھی۔ دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آرہا تھا۔ آخر کار نوبت باینجا رسید کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہوگئی۔ بعض باخبر احباب نے مولانا سے عرض کیا کہ ان دنوں زیر قانون تحفظ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کر رہی ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار مولانا محمد علی صاحب ایڈیٹر کامریڈ اور ان کے بھائی مولوی شوکت علی صاحب وغیرہ نظربند ہوچکے ہیں آپ کی نسبت بھی یہی فکر ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جب کہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی۔ آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدت جنگ عمومی میں وہیں امن و امان کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ یہ آخری زمانہ عمر کا ایسے مسعود و مبارک سرزمین میں صرف ہونا نہایت افضل اور انسب ہوگا۔ اس لئے وہاں کی تیاری شروع کردی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی۔

مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا۔

ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصد فرمایا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب خاص خادم کو اپنے وطن کیطرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا۔ اس لئے ان کی واپسی کا انتظار فرمایا اس مدت میں سامان سفر قدرے مہیا ہوگیا۔ عالی جناب حکیم عبدالرزاق صاحب غازی پوری برادر بزرگ جناب ڈاکٹر انصاری نے اس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جس کے حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ ممنون منت رہا کئے۔ حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بمبئی پہونچ گئے اور ہر قسم کا ضروری سامان سفر نہایت فراخدلی کے ساتھ مہیا کردیا۔ بلکہ جائے قیام اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کردیا۔

مولانا کے رفقائے سفر

مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی۔ بہت سے ارباب عقیدت استفادہ یا خدمت کے لئے ساتھ ہولئے جن میں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں:۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری۔ مولوی محمد میاں صاحب انبہٹوی۔ مولوی عزیز گل صاحب ساکن زیارت کاکا صاحب۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم۔ مولوی مطلوب الرحمن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب خاں صاحب سہارنپوری۔ حاجی عبدالکریم صاحب سرونجی۔ وحید احمد وغیرہ۔

مولانا کے سفر کی نسبت افواہ

عام لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کرکے جارہے

ہیں۔ اور اب ہمیشہ حرمین شریف میں عمر بسر فرمائیں گے اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوف وفات اپنی جائداد شرعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کر دی تھی۔ اس لئے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی مولانا نے ایک عرصہ تک کے لئے اپنے گھر کے مصاریف کا بھی انتظام کر دیا تھا۔ اس خاص افواہ کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کے لئے موجود رہتا تھا۔ طلبار مدرسہ نے اپنے اعزہ کو تاریخ روانگی سے تار کے ذریعہ مطلع کر دیا تھا۔ غرضکہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا جس کی وجہ سے مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا۔ تشیع کرنے والے بھی بہت سے ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جا کر چار بھی نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرما کر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آ گئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے راستہ میں رتلام، راندیر، میں بھی قدرے قیام فرمایا۔ کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے۔ جنہوں نے سخت اصرار فرمایا تھا۔

راندیر سے روانہ ہو کر بمبئی پہونچے اور انجمن محافظ حجاج کے آفس میں جس کو حکیم عبدالرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا۔ وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا۔ اگر انجمن کے کارکن انتظام کافی نہ کرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صورت ممکن ہی نہ ہوتی۔

بمبئی سے مولانا کی روانگی وہ تاریخیں اکبر جہاز کی روانگی کی تھیں۔ اسی کے ٹکٹ مولانا مرحوم اور ان کے ساتھیوں کیلئے لئے گئے تھے۔ مولانا اور ان کی خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کمرہ کے اور باقی ماندہ کے چھتری یا تق کے تھے۔ چنانچہ بروز شنبہ ۷ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے۔ چونکہ اکثر ہمراہیوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس نہ تھی۔ اس لئے عموماً ان کو بدمزگی اور چکر وغیرہ کی شکایت پیش آئی جس کی وجہ سے میوہ جات اور عمدہ غذائیں اپنے موقع پر صرف نہ ہوئی جن کی بڑی مقدار حکیم صاحب نے مولانا اور ان کے رفقار کے لئے مہیا کی تھی بلکہ بہت سی چیزیں ضائع ہوئیں۔ بوجہ ظہور جنگ ان دنوں قرنطینہ جزیرہ کامران سے اٹھالیا گیا تھا۔ اور قریب جدہ کے مقام سعدین ہوتا تھا۔ چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور بخیر و خوبی مولانا معہ رفقا کے اترے اور ایام قرنطینہ نہایت عافیت سے انجام دیکر جدہ پہونچے۔

خفیہ پولیس کی افواہ بمبئی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقار سے یہ کہا کہ

تقریباً آٹھ دس آدمی تمہارے ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں اُن سے احتیاط رکھنا (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط) چونکہ یہ بات اہل جہاز کو معلوم ہو چکی تھی کسی شخص نے جو غالباً جدہ یا مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا اس کو ٹرکی پولیس تک پہونچا دیا۔ اور جو لوگ مشتبہ تھے اُن کے نام و نشان بتا دیے اور کہدیا کہ یہ لوگ مولانا پر مسلط ہو کر آئے ہیں حالانکہ اس قسم کا خیال نہ مولانا کو تھا اور نہ اُن کے رفقاء کو۔ ٹرکی پولیس نے فوراً ان لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کی خدمت میں پولیس کا افسر تصدیق کرانے کے لئے حاضر ہوا۔ مولانا خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کو بھیجدیا۔ چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی نہیں۔ اس لئے مولوی صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہم کو کوئی یقین ان لوگوں کے سی۔آئی۔ڈی ہونے یا مولانا پر تسلط کئے جانے کا نہیں ہے۔ ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکتے جسکا ہمکو علم نہیں۔ مگر پولیس ٹرکی نے اس جواب کو اسپر حمل کیا کہ چونکہ ان لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے۔ اسلئے صریح طور پر اپنی معلومات کو ظاہر نہیں کر سکتے الحاصل ٹرکی پولیس نے ان لوگونکو زیر حراست رکھا اور اسیطرح انکو جح کرا کر یہ کہا کہ اگر تم اپنے محافظ سپاہیو نکا خرچ دو تو تمکو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت ملسکتی ہے ورنہ تمکو ہندوستان واپس ہونا پڑیگا چونکہ ان لوگو نکے پاس اسقدر خرچ نہ تھا اس لئے وہ بمبئی واپس کر دئے گئے۔

دوسری افواہ بعض خفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم بمبئی پہونچے تو وہاں کے افسر پولیس کے پاس تار آیا کہ مولانا کو بمبئی میں گرفتار کر لیا جائے اور آگے جانے نہ دیا جائے مگر چونکہ مولانا کے پاس بہت بڑا مجمع رہتا تھا اس لئے بمبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا۔ اور اس وجہ سے اونہوں نے عملدرآمد سے پہلو تہی کی۔ پھر دوسرا حکم روانگی کے بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہونچا کہ مولانا کو جدہ میں اترنے نہ دیا جائے بلکہ جہاز ہی پر گرفتار کر لیا جائے مگر یہ حکم اس کے پاس اُسوقت پہنچا جب کہ مولانا جزیرہ سعد میں برائے قرنطینہ اتر چکے تھے اس لئے ہمیں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کہاں تک صحیح ہیں) مگر ہم کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے۔

مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظمہ میں داخلہ ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں کی سواری پر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور اٹھائیسویں کو مکہ معظمہ میں شب بحرہ گذار کر شام کو داخل ہوئے وہ زمانہ طبعی طور پر حجاج کے ہجوم کا ہوتا ہے مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمدرفت بند یا کمی پر تھی اس وجہ سے حسب دستور ہجوم میں کمی ضرور تھی مگر تاہم مکہ معظمہ کی گلیاں اور

مکانات مسافرین سے لبریز تھے۔ حرم محترم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طوافِ قدوم وسعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور ادائے عبادات میں بدل وجان مشغول ہوگئے۔

مولانا مرحوم کے مطوف مولانا مرحوم نے حسب مشورہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و دیگر حضرات سید امین عاصم صاحب کو مطوف بنایا تھا۔ سید صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں ہر شخص کے ساتھ معاملہ اس کی حیثیت اور قابلیت کے موافق کرتے ہیں حجاج کو عموماً ان کی ذات سے راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں ادائے مناسک میں حتی الوسع احکام شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ عام مطوفوں کی طرح ان کے معاملات پیچیدہ نہیں۔ سید صاحب موصوف میں مروت بہت زیادہ ہے شریف سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں ان کو نہایت وسعت اور دولت حاصل تھی زمانہ کے انقلابات نے ان پر اس زمانہ میں بہت زیادہ گرانباری کردی ہے جس کی وجہ سے مقروض رہتے ہیں اور اسی وجہ سے سال گذشتہ میں مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور ان کے رفقاء کے ساتھ نہایت آدمیت اور شرافت کا معاملہ رکھا۔ ہم جملہ متوسلین مولانا مرحوم کے ان کے خاص طور سے شکرگزار ہیں۔

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو منیٰ میں اور صبح کو عرفات میں پہونچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالیٰ نہایت کمال کے ساتھ ادا کئے گئے۔

جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر اسی سال جناب مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا ضرور یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہوا تو ایک مدت دراز تک سرزمین حجاز خصوصاً طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغال باطنیہ اور فیوضات ظاہریہ سے خلق اللہ کی ہدایت میں حسب استطاعت دلچسپی لیں لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مدت سے پختہ ہو کر قریب تاریخ وغیرہ تک کرا چکا تھا۔ اور اس وقت تک مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا قصد مصمم نہ کیا تھا۔ اس لئے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی بلکہ مولانا خلیل احمد صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے ان کیساتھ کوئی مجمع کثیر بھی نہ تھا فقط ان کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے چونکہ مطوف مولانا موصوف کا سید مرتضیٰ تھا اس لئے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی کیونکہ ہر ایک کے شتربان مغائر تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں بھی اگرچہ

قافلہ ایک ہی تھا۔ مگر اتحادِ کلی نہ ہو سکا۔ شتر بان دور دور رہتے تھے۔

مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منورہ کو

تیرھویں تاریخ کی شام کو حسب عادت منیٰ سے واپس ہوئے اب مدینہ منورہ کی روانگی کی فکریں شروع ہوئیں۔ انہیں ایام میں حاجی خان محمد مرحوم نے ملک عدم کا قصد فرما دیا۔ اونٹوں کے کرایہ، شغادف کی درستی، سامان سفر کی فراہمی، تبریزہ وغیرہ میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۲۱ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۲ھ کو قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ سید امین عاصم صاحب نے اپنے شتربانوں کے سردار کو مولانا مرحوم اور ان کے رفقار کے لئے منتخب کیا اور اس کو مولانا کی راحت رسانی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اسمیں شک نہیں کہ اس نے تمام راستہ میں بہت ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا۔ نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور ان کی جماعت اُتر کر با جماعت ادا فرماتے تھے۔ یہ شتربان یا تو اس وقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا۔ اور خود مع دو ایک آدمیوں کے بندوق لئے ہوئے حفاظت کرتا تھا یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہو جاتی اور پھر سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو جاتے۔

راستہ کا انتظام

موجودہ رفقار میں سے مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان واپس ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کی ملازمت سرکاری تھی اور رخصت اس قدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ سے لوٹ کر موقع ملازمت پر وقت سے پہلے پہونچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی۔ باقی ماندہ حضرات سب ساتھ تھے۔ مولانا مرحوم نے حسن انتظام کے لئے ابتدا ہی سے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر قافلہ بنا دیا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہے اور منجملہ دیگر کمالات کے اسمیں بھی ان کو خاص کمال ہے مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھ رکھا تھا اور جملہ خدمتیں نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں۔ چونکہ تمام رفقار اہل علم اور ایک مذاق کے تھے۔ اس لئے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا۔

مولانا پر ایک اتہام اور اسکی غیر معقولیت

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس خبر کی قلعی بھی کھول دی جائے جس کو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہونچائی تھی۔ اور جس سے سوال ہم سے بھول سے بارہا کیا گیا۔ گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہونچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے مدت قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز سے ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے ورغلانے اور ترکوں کے ہر طرح ممد و

معاون ہونے وغیرہ کے حاصل کی جس کو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ہندوستان میں اس کو لوگوں نے دیکھا میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیوں کر کان دھرتی ہے اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کر لیتی ہے۔

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر چونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا خصوصاً ایام گرما میں۔ اس لئے اس سے ملاقات قبل از حج مکہ میں ممکن ہی نہ تھی غالب پاشا اس سال بھی طائف سے سیدھے روانہ ہو کر عرفات میں آ کر شریک حج ہوا تھا۔ مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے۔ البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا۔ مگر چونکہ محمل شامی آیا ہوا تھا اور اس کے مہتمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے اس لئے گورنر موصوف کو اپنے رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ کسی سے بات تک کر سکتے۔ تمام محمل کے انتظامات، خزانہ کی افکار انور پاشا کے والد ماجد کی تکریمات، حج کے انتظامات، شہر کی کارروائیاں، دور و دراز سے آنے والے ترکی افسروں سے ملاقات، وغیرہ وغیرہ اس قدر کاروبار تھے جن کی بنا پر اس کو اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط و ضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اس درجہ کے قابل اعتماد ہو جائیں کہ شاہی عہدنامے اور وثائق کے تنظیم و تسطیر کی نوبت آئے۔ ایسے معاملات میں تو مہینے گذر جاتے ہیں۔ ادہر مولانا کو افکار سفر مدینہ منورہ اور اس کے انتظامات، مختلف طبقات کے ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمد و رفت جن کا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا۔ شوق ادائے عبادات در حرم محترم جو کہ مدتہائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتے تھے۔ پھر اس پرطرہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف کو لوٹ گیا۔ نہ وہ ترکی زبان کے سوا اردو فارسی وغیرہ جانتا تھا عربی کے دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفت و شنید سے بھی واقف نہ تھا، نہ مولانا کو ترکی زبان سے واقفیت۔ مولانا کے لئے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے ایسے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدت العمر حکام اور اہل دنیا سے قلبی میلان تھا پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں سے اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور اُن پر یقین کر لیا۔ اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقتاً گورنمنٹ کے دوست نما دشمن ہیں بہت سے غلط سلط دھوکے دئیے ہیں جن کی غلطی واقعات نے آفتاب کی طرح روشن کر دی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیت بہت زیادہ تھی اور باایں ہمہ اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا اس میں وہ ہمیشہ پیچاپ رہا کرتے تھے طرح طرح کی تدبیریں اور کارروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے۔ مگر گفتگو اس میں ہے کہ مولانا ان مقاصد کے لئے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اس سے گورنمنٹ کو ضرر پہونچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کارروائی کر رہے تھے یا نہیں۔ دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا۔ گورنمنٹ اندرون ملک آزادی کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردی اسلامی کے اعمال کو جب کہ وہ امن و سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ بُرا سمجھتی ہے وہ آزادی کے پروپگنڈے کو ہندوستانی قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہشمند ہے اس کے ذمہ دار وزراء اور بادشاہوں کے صاف الفاظ میں وعدے اور عہود ہیں اور جملہ عقلائے انگلستان اس کے گویا ہیں کہ ہم ہندوستان کو بوقت قابلیت و استعداد پوری آزادی دیدیں گے۔ چونکہ فطرت نے قابلیت کا معیار طلب صادق رکھدیا ہے اس لئے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہوگی تو طلب صادق ضرور بالضرور ہوگی۔ اور جب طلب صادق ظہور پذیر ہوگی جب ہی قابلیت کا علم ہوگا۔ معدہ میں جب ہضم غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے ظہور بھوک سے حکیم حاذق معدہ کی قابلیت کو پہچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جب کہ قابلیت تولید پیدا ہوتی ہے اس وقت ایک کو دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرت کے قوانین پر اگر جا بجا دیکھا جائے تو اس کی سینکڑوں نظیریں مل سکیں گی۔

غرضکہ جو اسباب و وجوہ طلب صادق کی عوام و خواص میں ہونی چاہئیں۔ اُن کے لئے کوشش کرنا گورنمنٹ کے عین مقصد میں مدد دینا ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ کے نزدیک یہ امر نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے ہاں دول خارجیہ کے تعلقات کو البتہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس کی بہت سی افترا پردازیاں دشمنوں نے کیں مگر الحمد للہ کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہ پہونچ سکی۔ اور نہ اُن میں واقعیت کی جھلک تھی۔

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہونچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا کے تحریری وثائق اور عہود حاصل کرکے مولوی ہادی حسن صاحب کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جس میں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً دوڑ اور گارد مولوی ہادی حسن صاحب کے مکان پر اُن کی غیبت میں پہونچی اور مکان کی تلاشی لے کر صندوق کو دیکھا پھر ہر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ بھی

نہ نکلا اور نکلتا کیسے جب کہ کوئی شے ہو ہی نہیں تو کہاں سے نکلے۔ مگر دشمنوں نے گورنمنٹ کو دھوکہ دینے میں کوئی فروگذاشت نہ کی۔ ایسے اعمال سے غالباً اتنا تو نفع ضرور ہو گیا کہ گورنمنٹ کو بھی کچھ پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کی مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں بلکہ شخصی اغراض پر ان کا دارمدار ہے۔

مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ

اہل مدینہ منورہ جو کہ بذریعہ سانڈنیوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے واپس آجاتے ہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے۔ ادھر خطوط سے مولانا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لئے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی ان تاریخوں میں جن میں قافلہ کی آمد آمد تھی ایک بڑی جماعت اہل علم وفضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو بیر عروہ تک جو کہ شہر پناہ کے دروازہ باب العنبریہ سے تقریباً دو ڈھائی میل ہے نکلا کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کر کے وہاں انتظار کرتی۔ اور بالآخر جب مولانا کو نہ پاتی شام کو لوٹ آتی چار اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ قافلہ مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہے مگر راستہ میں چند منزلوں کے بعد متفرق ہو جاتا ہے جس کے اسباب مختلف ہیں۔ اول تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹھہرے تو بسا اوقات کنوئیں کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر شتربان مدینہ منورہ کے اطراف وجوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں وہ اپنے مکانوں پر جانے کی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گذرنے اور قریب کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے ایک دو دن وہاں ٹھیرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں وہ ان کو مرغوب ہوتے ہیں۔

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولانا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہو رہا تھا بالآخر ۶ محرم بروز دوشنبہ صبح کو قریب ۹ یا ۱۰ بجے مولانا بیر عروہ پر پہونچے استقبالیہ جماعت موجود تھی۔ لوگوں کو خبر ہوئی۔ جوق جوق جماعت اہل علم اور فضل کی نکلی اور مولانا مرحوم و نیز مولانا خلیل احمد صاحب کی قدم بوسی سے مستفیض ہوئی ہر دو حضرات مع جملہ رفقاء راقم الحروف کے مکان پر فروکش ہوئے اہل شہر ائمہ و خطباء رؤساء وغیرہ وغیرہ میں دھوم مچ گئی کہ ہندوستان کے آفتاب نے بارگاہ نبوت کی خاک روبی کا قصد کر کے عتبۂ عالیہ پر جبہ سائی کی ہے۔ چنانچہ تمام دن لوگ قدمبوسی کے لئے آتے رہے۔ اور شہ نشین میں جو کہ اسی واسطے فرش کی گئی تھی مشرف ہوتے رہے۔ تقریباً تین چار دن تک ہجوم زوار و مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چہل پہل رہی۔

مولانا کے رفقاء کا سفر

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آگیا۔ مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیر گل صاحب مولوی ہادی حسن صاحب و وحید احمد سب روانہ ہو گئے۔ جن میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مولوی محمد میاں صاحب۔ حاجی عبدالکریم صاحب۔ حاجی محبوب خاں صاحب مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے۔ ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقاء بھی روانہ ہو گئے۔ فقط مولانا صاحب معہ اہلیہ و حاجی مقبول احمد صاحب باقی رہ گئے۔ اس زمانہ میں طلباء و مدرسین مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادہ کے لئے بعض کتابیں شروع کرا دیجئے۔ علاوہ اس کے بہت سے علماء اور طلباء نے حسب قاعدہ اسلاف اوائل کتب حدیث سُناکر اجازت بھی لی۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرا دی۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلباء اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں جگہ بمشکل ملتی تھی مولانا نے حلقہ درس حرم محترم میں اپنی کسر نفسی کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا بلکہ مکان ہی پر پڑھاتے تھے دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اس مزید اصرار کی بناء پر شروع کرا دیا۔

ٹرکی پولیس کے توہمات

چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اس لئے ہر گورنمنٹ اپنے یہاں جاسوس کی فکریں زیادہ رکھتی تھی۔ ٹرکی پولیس کو بھی اس کا خیال تھا۔ جو لوگ زائرین کے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے اُن کی خفیہ طور پر اس کی نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہ ظاہر ہوا اُن سے معمولی طور پر اظہار و تفتیش کی نوبت آئی اور پھر مشتبہ لوگ نظر بند ہو کر سوریا (شام) کو روانہ کر دیے گئے اور وہاں سے بعد از تفتیش ایشیائے کوچک وغیرہ میں تا اختتام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جن کو سوائے فساد اور نفسانی خواہشات کے دنیا میں کوئی مقصد نہیں۔ نہ ان کو اسلامی ہمدردی ہے نہ حقانیت کی تلاش نہ ان کو خوف آخرت ہے نہ پاس ملامت اہل بصیرت اُن کے نمایاں کارنامے اس وقت بھی ظاہر و باہر ہیں۔ اونہوں نے اپنے پرانے حقد اور عداوت کا موقع پایا اور پولیس کمشنر فخری آفندی حلبی تک رسائی پیدا کر کے اس کے کانوں کو بھرا کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی۔ آئی۔ ڈی ہیں اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں۔ ورنہ ایسے پُر آشوب زمانہ میں اُن کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے

کیا معنی۔ غرضکہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلاف واقع اس کو پہنچا کر بدظن کر دیا اور پھر موقع پا کر عقاید کے متعلق (جو پرانا رویہ اس طائفہ کا ہے) بھی نیش زنی کر کے اس کو اور بھی برانگیختہ کیا۔ اس لئے خوش اسلوبی سے اس کے تصفیہ خیالات کی کوشش کی گئی اور اس میں ابتداء میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہو گئی تھی مگر شدنی بات ہو کر رہتی ہے۔ ادہر جدہ سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اردو کے طویل طویل خطوط خلاف قانون[له] بلا واسطہ پوسٹ آفس آئے اور وہ بالا بالا پولیس کے ہاتھ لگ گئے۔ اُدھر محض حسن ظن پر دو غیر معلوم شخصوں کے لئے بعض اکابر کا سعی فرمانا اور اُن کی برارت کی کوشش کرنی جن کی تہمت پولیس نے اپنے خیالات جمالئے تھے پھر بعض بے عنوانیوں کے ظہور نے پولیس کمشنر اور اسکے ہوا خواہوں کے خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر دئے جن کی بنا پر اس نئے گورنر مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے بدظن کر دیا۔ خود پولیس کمشنر بھی ایک بدطینت شخص تھا اس کو بھی رضائیوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے کچھ آہٹ ہو گئی اس نے دونوں حضرات سے کچہری میں بُلا کر کچھ کچھ اظہارات لئے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دمشق) جہاں پر کمیٹی تحقیقات تھی بھیجے۔ اس زمانہ میں شام میں قوانین مارشل لا جاری تھے جس کی بنا پر ہمیشہ یہ خیال تھا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدے دار اور بڑے بڑے روسار اور علماء اور خطباء و ائمہ وغیرہ اگر حضرات کے معتقد اور جاں نثار نہ ہوتے تو وہ کمبخت ضرور دست درازی کر بیٹھتا مگر اس خوف نے اس کو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگائے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کیطرف سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جس کی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء و صلحاء شام کے مزاروں کی زیارت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔ مگر اس نے اس کو بھی وجہ اشتباہ قرار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احناف وغیرہ اُس کی اس سُبک حرکتی اور شرارت سے سخت بیزار تھے۔ مگر بوجہ زمانہ جنگ و اجراء قوانین مارشل لاء دم نہیں مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے سر اوٹھانے کی واقع ہوئی اور نہ اُن کے تو پہلے سے مچلکے عرصہ دراز سے ہو چکے تھے۔ انہیں احوال میں یکبارگی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولتلو انور پاشا حضرتلری اور جناب دولتلو جمال پاشا حضرتلری وزیر بحریہ و قوماندان فیلق رابع معہ دیگر جرنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کی طرف متوجہ ہو گئے یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت میں پولیس کی شرارتیں کھولی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا کسی دوسرے کو ضرر پہونچانا مطلوب نہ تھا جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی اس میں دمشق کے

[له] کیونکہ اس وقت میں سوائے عربی اور ترکی زبان کے دوسری زبانوں میں خط بھیجنا قانوناً ممنوع کر دیا گیا تھا اور اسی طرح بغیر واسطہ ڈاک کی دوسری زبانوں میں منع تھا ۱۲ منہ

نقیب الاشراف بھی ہیں جوکہ وہاں کے سادات کے رئیس اور ٹرکی حکومت کے بہت بڑے معتمد ہیں۔ اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہ ربیع الاول میں بمعیت علمار شام وسوریہ مدینہ منورہ میں آچکے تھے اور بواسطہ آفندی اسعد صاحب خالدی ان سے ملاقات دونوں حضرات کی ہوچکی تھی اور ان کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کو اس وقت میں پولیس کی بعض شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی اس لئے اونھوں نے اس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا سے مولانا کے تعارف کی کوشش کی اور مفتی احناف جناب ماموں آفندی بری شیخ علمار مدینہ منورہ نے بھی اس طرف خاص توجہ کی۔

انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا مدینہ منورہ میں آنا۔

چونکہ امور جنگ کا انتظام سب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی یعنی میدان سویز، سینا، حجاز، یہ جمال پاشا کے متعلق اور ان کی کمانداری میں تھا۔ اس لئے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بضرورت دوسری جانب کو کبھی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانداری کرتے تھے۔ مگر انور پاشا مرکزی محافظت کرتے ہوئے ہر میدان میں جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے اپنے آپ کو پہنچاتے تھے اور جنگی احوال اور ضروریات کو ملاحظہ کرتے تھے جب وہ سوریہ میں آئے اور سویز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ دوجہان وسیلۂ دنیا وآخرت حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اس لئے بمعیت جماعت عظیم روانہ ہوئے ایک خاص اسپیشل میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دس بجے دن کے اسپیشل مدینہ منورہ پہونچی چونکہ یہ ایک پہلا موقعہ تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر معہ بہت سے جرنیلوں اور افسروں کے آتے ہوں اس لئے بہت بڑا ہجوم اسٹیشن پر تھا اور ہر طائفہ نہایت انتظام سے استقبال اور سلامی کے لئے وہاں موجود تھا۔ حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر نے جو جو انتظامات اپنی عقیدت واخلاص ومحبت کے لئے کئے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہونچی تو حدود اسٹیشن اندر اور باہر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر ایک کی آنکھیں انور پاشا کے دیکھنے کو اٹھیں مگر ایسے ہجوم میں دیکھنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دوجہاں کی بارگاہ میں حاضری ہے غلام بن کر جانا چاہئے اتار دیئے تھے نہایت سادہ اور اس لباس میں تھے جس میں ایک معمولی سپاہی رہتا ہے البتہ جمال پاشا کے لباس پر بعض نشانات وعلامات افسری نمایاں تھے۔ ٹرین سے جس وقت دونوں وزیر

معہ ہمراہیوں کے اُترے تو اسٹیشن کی بڑی ہال میں میونسپلٹی (بلدیہ) کی طرف سے چار کی دعوت پیش کی گئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کی طرف سے پیش کیا گیا جس پر اظہار شکریہ و مسرت طرف ثانی سے عمل میں آیا۔ چونکہ جمعہ کا دن تھا۔ اس لئے مسجد نبوی میں پہونچنے کی تعجیل کی گئی۔ اسٹیشن کے دروازہ پر فٹن وغیرہ سواریاں موجود تھیں۔ گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری کرنے کے لئے آرزو ظاہر کی مگر انور پاشا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے۔ اہل شہر نے عجب طرح جلوس نکالا جو کہ قابل دید تھا۔ جتنے اہل تصوف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ معہ اپنے مریدوں اور زریں جھنڈوں کے آگے آگے ذکر کرتے ہوئے اشعار مدحیہ اور دعائیہ پڑھتے ہوئے چلتے تھے جن کی بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہوں گی۔ اس کے بعد حرم محترم نبوی کے مختلف خدام کی جماعتیں تھیں۔ موذنوں کی جماعت جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو یا زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاروب کشوں کی علیحدہ اماموں کی علیحدہ خطیبوں کی علیحدہ حجرۂ مطہرہ نبویہ کے خاص خدام خواجہ سراؤں کی علیحدہ یہ سب کے سب درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے حمد و صلوٰۃ دعا و ثنا پڑھتے ہوئے اپنے اپنے رسمی لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے بعد دونوں وزیر برابر چل رہے تھے اُن کے پیچھے اُن کے رفقا اور دیگر حکام تھے ان کے بعد اہل شہر۔ دائیں اور بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامان سے مکمل تھے اور دونوں طرف قطار باندھے ہوئے خراماں خراماں چل رہے تھے ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں اور پیچھے اور مکانوں پر خلقت کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ کی نظریں کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی پڑ جاتی تھیں مگر انور پاشا کی آنکھ زمین سے لگی ہوئی تھی۔ نہایت ادب اور احترام سے جا رہے تھے، جیسے کہ ایک شہنشاہ والا تبار کے سامنے کھڑے ہوں اسی طرح یہ مجمع باب السلام تک پہونچا۔ باب السلام سے جب دست بستہ حرم نبوی میں داخل ہوئے ہیں اور مزورّ نے دعائے دخول پڑھانی شروع کی ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں بہا رہی تھیں۔ اسی طرح گریہ کناں بادشاہ دو جہاں کے سامنے دونوں وزیر ایستادہ ہوئے اور حسب اوامر شریعت بہ تلقین جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلوٰۃ و سلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم بادشاہان روم اور خلفائے ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے ہمیشہ دونوں حرم محترم کا اپنے آپ کو خادم سمجھتے رہے اور اسی لفظ کو اپنے لئے باعث نجات تصور کرتے ہوئے

خطبہ میں بھی داخل کیا گیا۔ یہی نہیں کہ فقط زبانی جمع خرچ تھا۔ دور وزر کے بعد جاتا رہا۔ یا عمل میں نہ لایا گیا بلکہ آخر دم تک یہ عمل جاری رہا۔ اسی بنا پر ہزاروں پونڈ ماہوار خالص خزینہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقاموں میں صرف ہوتا تھا یہاں کے باشندے گورمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خراج یا عشر یا مالگذاری نہیں دیتے تھے۔ البتہ کچھ فی اونٹ شتربانوں سے لیا جاتا تھا اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو کہ فیصدی دس تک تھا اخیر میں کچھ زیادتی بھی ہو گئی تھی۔ مکانوں یا باغوں یا مزارع وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ نہ تھا۔ بلکہ الٹے ہزاروں باشندے مختلف عنوانوں سے تنخواہیں اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصد اصلی اہل حرمین شریفین کی پرورش تھی مجھکو صحیح طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریف کا خرچ گورمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا۔ فقط حرم محترم مدینہ کے ائمہ دو سو سے زائد تھے۔ مؤذنوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، جھاڑو دینے والے ساٹھ سے زیادہ تھے خطبہ پڑھنے والے پچپن سے زیادہ تھے۔ خواجہ سرا یعنی آغاوات خادمین روضہ مطہرہ ساٹھ ستر آدمی تھے جن کی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ سے زیادہ تیس پونڈ ماہوار تھی یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقے ان کو عطا کرنے کے بہت سے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر اہل مدینہ خصوصاً اور بعض اہل مکہ عموماً (دولت علیہ) گورمنٹ ترکی کی پرورش سے جیتے تھے۔

شاہان روم نے روزانہ خدمت روضہ اقدس کے لئے اور علی ہذا القیاس خدمت بیت اللہ کے لئے ایک خاص ایک شخص مقرر کر رکھا تھا جس کے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمت جاروب کشی اور روشنی قندیل خادمانہ لباس پہن کر سلطان کی طرف سے ادا کیا کریں یہ شیخ الحرم استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رتبہ کا آدمی ہوتا تھا۔ اس کی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد اس پر لازم تھا کہ حجرہ شریفہ یعنی روضہ مطہرہ کی جاروب کشی کے لئے ان کا معینہ لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریفہ میں داخل ہو کر سلطان اور اپنی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کر کے دعا کرتا اور پھر جاروب کشی کرتا اور اسی طرح شام کے وقت مغرب سے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قندیلیں خدام کیساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اس کا سلطان کے قائم مقامی میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ باعلم نہایت سمجھدار اور پرہیزگار شخص تھے۔ مولانا سے بھی ان کو خاص تعلق تھا تصوف کی طرف ان کی طبیعت بہت مائل تھی۔

روضہ و مسجد انور پاشا زیارت کرنے کے بعد روضہ شریف میں جا بیٹھے مسجد شریف کا وہ حصہ جو کہ منبر اور

حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اس کو روضہ یا ریاض الجنۃ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ (میرے حجرے اور منبر کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث اس کے فضائل میں بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی۔ خطبہ اور نماز کو حسب معمول ادا کیا گیا، پھر دونوں وزیر معہ ہمراہیوں کے جائے استراحت پر تشریف لے گئے بیرون باب المجیدی سید مدنی کا ہوٹل (دارالسرور) ان کے قیام کے لئے تیار کیا گیا تھا میونسپلٹی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورونوش وغیرہ کا تھا الغرض وہاں جاکر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی عصر کے وقت نماز کیلئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی شام کے وقت حجرہ مطہرہ میں خادمانہ لباس پہنکر قندیل روشن کرنے کے لئے بھی داخل ہوئے پھر نماز مغرب کی باجماعت ادا کرکے قیامگاہ پر تشریف لے گئے چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کی طرف سے بدظنی تھی جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے اس لئے جناب نقیب الاشراف صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا کی جمال پاشا سے ملاقات ہوجاتی تو میں ایک اچھا موقعہ پولیس کے خطرہ کے دفعہ کرنے کا پاتا۔ چنانچہ اونھوں نے کہا کہ قیام گاہ پر بعد از مغرب دونوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کراؤں گا۔ مگر بدقسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہوچکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پہرہ تھا۔ اس لئے ہم کو داخل ہونا ممکن نہ ہوا اور نہ کسی سے ملاقات ہوسکی۔

حکام مدینہ منورہ نے سخت پہرہ اس لئے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخبار ان دونوں زرا تک نہ پہنچا ئیں جس کی وجہ سے ان کی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا علی ہذا القیاس اہل حاجت کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا۔

ہر دو حضرات کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

مفتی مدینہ منورہ اور شیخ العلماء یعنی مفتی مامون بری حضرات شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم ومغفور کے شاگرد تھے ان کو ہمارے اکابر سے خاص تعلق تھا وہ بھی اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان حضرات کی عزت پر کوئی دھبہ نہ آوے اور کسی قسم کی تکلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آوے اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اس قدر فکر نہ تھا۔ مگر زمانہ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا اہل سیاست کا زور نہایت کمزوری پر تھا اس لئے زیادہ فکر تھی۔

شب کو انور پاشا نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علمائے شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی اپنی تقریریں سنائیں۔ چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہر ایک کے حلقہ

وہیں میں جاکر تقریریں سُنوں۔ اِس لئے اُس ایک مجلس میں مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ علی الصباح مفتی صاحب نے کاتب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لاویں تاکہ مجکو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آوے اور پھر میں مناسبت پاکر صفائی کرادونگا۔ چنانچہ ہردو حضرات تشریف لائے۔ صف اول میں مفتی صاحب موصوف بیچ میں بیٹھے۔ اُن کے بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے، اُنکے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب اُن کے بائیں کاتب الحروف تہا اور اسی طرح اور دوسرے علماء تھے مفتی صاحب کے دائیں بھی بہت سے علماء تھے۔ شیخ الحرم صاحب خاص طور سے منتظم تھے۔ اونہوں نے ہردو حضرات سے خواہش کی اگر دونوں وزراء میں سے کوئی صاحب آپ سے تقریر کی خواہش کریں تو آپ انکار نہ فرمائیں جبکہ مجمع پورا ہوگیا اور دونوں وزراء تشریف لے آئے تو اولاً اونہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی۔ اونہوں نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اُسکے بعد انور پاشانے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا۔ پھر اونہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب سے درخواست کی۔ مگر دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کرسکتے اُسکے بعد کاتب الحروف کی طرف اشارہ ہوا میں نے حسب لیاقت ایک عرصہ تک عربی میں تقریر کی اُسکے بعد دوسرے علماء نے تقریریں کیں۔ اختتام جلسہ پر مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کرایا آپس میں مصافحہ ہوا۔ اور مزاج پرسی کی نوبت آئی اس سے زیادہ نہ وہاں موقع تھا اور نہ وقت تھا مجمع بہت ہی زیادہ تھا ہردو وزراء اسی وقت اُٹھے اور اپنے قیام گاہ پر چلے گئے اور کھانا کھاکر ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوگئے۔ مگر اس تعارف کی وجہ سے مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع ملگیا کہ اونہوں نے کھانا کھاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کردیا کہ پولیس ایسے مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں، اُن پر یہ شبہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں چنانچہ شام پہونچکر جمال پاشانے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحاربہ کے رعایا کیساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے اس حکم کے آنے کے بعد پولیس کی تمام کارروائیاں بیکار رہ گئیں اور اُس کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے۔

ترکی گورمنٹ کی دریا دلی

انور پاشانے اہل مدینہ اور خادمان حرم نبوی اور علماء وغیرہ کے لئے پانچہزار پونڈ دئے جو کہ تقسیم کئے گئے۔ بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ جس کی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے تھی جس کے رئیس شیخ الحرم صاحب تھے چنانچہ اونہوں نے پانچ پانچ پونڈ

ان دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحروف کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے ان کے لینے سے انکار کیا اور ظاہر کیا کہ ہم مستغنی ہیں ہم کو ضرورت نہیں مگر ادھر سے کہا گیا کہ یہ شاہی ہدیہ ہے۔ صدقہ نہیں۔ اس لئے دونوں حضرات نے قبول فرما کر پھر کاتب الحروف کو دیدئے۔ جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھکر بارہ ریلوے گاڑیاں گیہوں سے بھری ہوئی مدینہ منورہ کے اہالی پر تقسیم کرنے کے لئے بھجوائیں مگر بدقسمتی سے اس کے تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا۔ جو کہ ان دنوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اس میں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا۔ خود ان کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچ ہزار گنّی مکہ معظمہ بھی وہاں کے لوگوں کے لئے بھیجیں۔ جن کو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضعفاء فقراء مساکین پر تقسیم فرماتے تھے۔ حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا۔ رعایا کو دینا تو درکنار ان سے لوٹ کھسوٹ کر چندہ کے نام سے قرض کے نام سے سینکڑوں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا۔ مگر ٹرکی گورنمنٹ فقراء کا پیٹ بھر رہی تھی۔

مولانا کی نسبت افواہ یہی وہ ملاقات ہے جس کی نسبت اصحاب اغراض نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ خبر پہونچائی کہ مولانا نے جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہد نامے اور وثائق حاصل کئے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسی دروغ گوئی اور افتراپردازی پر کیوں کر جرأت کی گئی۔ دونوں وزیروں کی مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۲۴ گھنٹے کے قریب تھی۔ جس میں اُن کو ہزاروں کام درپیش تھے ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہر وقت تھا۔ ان کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ شہر کے بڑے بڑے عمائد تو ان کے پاس پھٹک نہیں سکتے تھے اور پھر وثائق اور عہد ناموں کا لکھنا اور مقرر کرنا شروط کا لحاظ کرنا کیسے ہو سکتا تھا مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اس کا جھوٹے ہونا معلوم ہو گیا تھا۔ کیونکہ گورنمنٹ کو لوگوں نے یہ بہکایا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاغذات جو انور پاشا سے حاصل کئے ہیں ایک صندوق میں اس کے تختوں میں سوراخ کر کے رکھ دیا ہے اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھ دئے ہیں۔ جس کو مولوی ہادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جدہ سے لائے ہیں اور بمبئی سے اپنے مکان پر اسباب کے ہمراہ بھیجدیا ہے۔ بیچارے مولوی ہادی حسن صاحب اس وقت تک نینی تال ہی میں تھے کہ ان کے مکان پر دوڑ گئی اور اس صندوق کو تختہ توڑ کر تختہ تختہ پارچہ پارچہ کر دیا گیا مگر کچھ نہ نکلا اس لئے گورنمنٹ کو بھی غالباً یقین ہو گیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط افواہ تھیں۔

مولانا کی مدینہ منورہ سے روانگی

اس واقعہ کے بعد ہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانے والا ہے اُسکے ساتھ وہاں کا قصد کیا جائے۔ اُن دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تھی کہ ایک آگبوٹ ہندوستان سے مختلف سامان خصوصاً چاول لے کر نکلا ہے اور عنقریب جدہ پہونچنے والا ہے۔ چونکہ ان چند ماہ میں یعنی صفر سے جمادی الثانی تک کوئی آگبوٹ غلہ کا ہندوستان سے جدہ نہ پہونچا تھا۔ ادھر مصر کے آگبوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے بحر احمر بالکل بند تھا فقط اتحادیوں کے آگبوٹ اس میں آتے جاتے تھے۔ اس لئے عرب کے بندروں پر جملہ اشیاء تجارت کا آنا بند ہو گیا تھا۔ بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اور افریقہ کے بندروں سے چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہونچاتی تھیں۔ مگر انگریزی جہازوں نے ان کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا کشتیوں کا غرق کر دینا قید کر کے لے جانا وغیرہ مظالم اس قدر برسائے کہ ان کی بھی آمد و رفت بالکل بند ہو گئی اس لئے تمام حجاز میں سخت گرانی پھیل گئی لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں چونکہ ریل کی وجہ سے شام سے متصل تھا۔ اس لئے گیہوں آٹے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی۔ مگر شکر، چاء، چاول وغیرہ اشیاء یہاں بھی سخت گراں ہو گئی تھیں۔

اُس قافلہ میں جانا اس لئے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا زمانہ قریب ہے۔ مکہ معظمہ میں رمضان کیا جائے تو بہتر ہو گا علاوہ ازیں مکہ معظمہ میں پولیس کی اس قدر سختی بھی نہ تھی۔ اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولیس افسر ایک قسم کی پرخاش رکھنے لگا تھا۔ اس لئے اس سے دور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا۔ پھر ہندوستان جانے کیلئے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ کی بارہویں یا تیرہویں کو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیز گل صاحب، وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد اور منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی تھے نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے معہ حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدر آباد سندھ روانہ ہو کر جدہ آ چکے تھے مگر اتفاق سے ان کو کوئی آگبوٹ ہندوستان جانے والا ملا نہ تھا۔ اس لئے دونوں صاحب مکہ معظمہ ہی میں آ گئے تھے بایں خیال کہ جب آگبوٹ آ جاوے گا اس وقت روانہ ہوں گے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ معظمہ میں برابر پہونچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ روانہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ اخیر ماہ جمادی الثانیہ میں پہونچا اور قریب باب العمرہ ایک مکان کرایہ

پر لے کر قیام کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب معہ متعلقین باب ابراہیم کے پاس قلعی عبدالحق صاحب کے
مکان پر فروکش ہوئے۔ اس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی۔ ادہر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوب
مناسب تھا ہی۔ وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے مزارات بھی ہیں جن کی
زیارت کی غرض سے اکثر لوگ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں رہ سکتے طائف
ہی میں چلے جاتے ہیں مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں اور کچھ دنوں ٹھہر کر نصف شعبان سے
پہلے مکہ معظمہ کو واپس چلے آئیں گے۔ چنانچہ بمعیت سید امین عاصم صاحب آمد و رفت کا شتر کرایہ کر کے ۲۰
رجب ۱۳۳۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۲ یا ۲۴ رجب کو طائف پہونچے۔ شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے
جس کا انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید امین عاصم صاحب
معہ اپنے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط
تین آدمی تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد۔

طایف طائف حقیقتاً ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اس کا اطلاق بہت بڑے حصہ پر کیا جاتا ہے
جس میں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں۔ یہ قطعہ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے۔ اونٹوں
کے راستہ سے تین دن میں یہاں پہونچتے ہیں۔ کیونکہ چکر زیادہ ہے اور چڑھائی بہ آسانی طے ہوتی ہے اور
جبل کرہ کے راستہ سے جس میں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۲۴ گھنٹہ بلکہ اس سے کم میں آدمی پہونچ جاتا
ہے مگر راستہ دشوار گذار ضرور ہے۔ آدھے راستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہے جبکہ مکہ معظمہ میں سخت
گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا ہو طائف میں پتلی رضائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں کا موسم گرمیوں
میں نہایت عمدہ رہتا ہے جا بجا باغات ہیں۔ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ انگور۔ انجیر۔ برشومی (ناگ
پھل) انار۔ آڑو۔ آلوچی وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں۔ زراعت اور
سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہے۔ جا بجا نہریں بھی ہیں۔ کنویں میٹھے بکثرت ہیں۔ بارش بھی خوب ہوتی ہے
حجاز کے لئے طائف ہند کے لئے شملہ کی مانند ہے۔ ترکی گورنر اکثر گرمیوں کے زمانہ میں طائف میں رہا
کرتا تھا۔ اور بڑے درجہ کے حکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے۔

فتنہ حجاز جب ہم مکہ معظمہ میں پہونچے تو عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں عام بدوؤں اور اہل شہر کی
زبانی سنا جاتا تھا کہ عنقریب بدعملی ہونے والی ہے۔ شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت

کرنے والا ہے۔ مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا۔ ترکی فوج تمام حجاز میں غالباً چار پانچ ہزار ہوگی۔ کیونکہ اکثر فوج دوسرے مقامات جنگ پر چلی گئی تھی۔ شریف نے باب عالی کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ حجاز کا ذمہ دار میں ہوں یہاں زیادہ قوت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ جائے ضرورت جنگ پر اپنی قوت پہونچاؤ۔ یہ موجودہ ترکی فوج بھی جدہ۔ مکہ۔ طائف پر منقسم تھی۔ ہم کو یہ بھی اس وقت کہا گیا کہ بلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہئے۔ مبادا بدعملی ہوجاتی ہے۔ مگر ہم کو یقین کامل نہ ہوا۔ اسی زمانہ میں یہ بھی خبر مشہور ہوئی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کوئی خط شریف کے نام آیا ہے کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکال دو ورنہ ہم شریف علی کو (جو پہلے شریف حجاز تھا اور شریف حسین موجودہ کا بھتیجا ہے اور اس وقت مصر میں مقیم تھا) اس کو حجاز کا شریف بنا کر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہاں تک صحیح تھی) جدہ میں ہمیشہ جنگی آگبوٹ آتے اور بندر میں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہوجاتے تھے اور ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے نہ ترکی حکومت۔

ہم اس رسالہ میں ان واقعات کو دکھلانا نہیں چاہتے جو کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے کیونکہ اس کے لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مستقل رسالہ لکھیں گے۔ اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفرنامہ لکھنا ہے۔ ہم کو طائف پہونچ کر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ملنے نہ آیا تھا کہ شتربان آیا اور کہا کہ اگر چلتے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤں گا۔ مطوف صاحب اور ہم لوگوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جاوے۔ اس کے بعد مکہ معظمہ جانا چاہئے۔ اتفاق وقت سے اس وقت طائف میں میوے بہت کم تھے۔ شہتوت اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا۔ البتہ شہد خوب آتا تھا دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ کو چلنا چاہئے۔ مگر شتربان جا چکا تھا۔ ایک دو دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا۔ ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہوگیا ہے ہم اس وقت اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اس قدر تقاضا کیا جارہا ہے۔ مگر دو ہی تین دن کے بعد معلوم ہوگیا کہ آئندہ آنیوالے واقعات نے خلاف عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہے۔ جن کو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا۔ مگر چونکہ ضبط اور اخفاء کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ ادھر مقام رضا میں قدم راسخ تھا۔ اس لئے چند مرتبہ ظاہری تقاضا کرنے کے بعد چپ ہو رہے اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ باہر باغوں میں مقیم ہیں ان کو شہر پناہ میں چلے جانا ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے

معطوف سید ابن عاصم صاحب بھی معہ اپنے اہل وعیال شہر میں سید علی حبشی کے مکان پر چلے گئے اور ہمارے لئے بھی وہاں ہی ایک کوٹھری لے دی۔ تمام شہر میں اس وقت عجب ہل چل تھی۔ ۹ شعبان روز شنبہ کو ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے۔ ترکی افسروں کو بھی یہ بات محسوس ہوگئی۔ اونہوں نے شہر کے ارد گرد حسب قواعد جنگ مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں کو مورچہ کے لئے مناسب جانا ان کو خالی کرا لیا گیا رہویں شعبان ۱۳۳۴ ہجری کی شب کو صبح صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوجوں نے چڑھائی کی جو کہ زیر کمانداری عبد اللہ بیگ کام کر رہی تھیں۔ صبح صادق کے وقت ہم سب بمعیت حضرت مولانا مرحوم صبح کی نماز کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد میں جارہے تھے کہ ناگاہ ایک بندوق کی آواز سنائی دی۔ پھر تو چاروں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں۔ ترکی فوج جس نے چاروں طرف حسب قواعد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دیتی رہی۔ اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایک ہزار مسلح سپاہی کے تھی باقیماندہ لوگ مسلح نہ تھے مگر چونکہ منتظم جماعت تھی اس نے بدوی فوجوں کو بہت زیادہ اور قوی نقصان پہونچایا۔ بدوؤں کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے اس سے دو دن پہلے مکہ معظمہ جدہ ینبع، مدینہ منورہ میں یہی واقعہ پیش آچکا تھا کیونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی دن میں سب جگہ یہ کام ہو۔ اس جنگ کی وجہ سے جو لوگ طائف میں غلہ اور ترکاری میوہ وغیرہ لاتے تھے ان کا آنا بند ہوگیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند ہوگیا۔ ادھر فوجی حکام کو رسد کی فکر ہوئی۔ حسب قواعد جنگ اونہوں نے تاجروں سے موجودہ غلہ کی نصف مقدار لینی شروع کی جس نے خوشی سے دیدیا اس کی مقدار میں سے نصف لے لیا اور نصف چھوڑ دیا اور لئے ہوئے نصف کی قیمت اُس وقت کے حساب سے لگا کر اس کو رسید دیدی کہ حکومت ترکی بعد از جنگ یہ مقدار بجنسہ کو ادا کرے گی البتہ جن لوگوں نے چھپایا ان پر شدت کی گئی اور تمام مال تجارت ان کا خورد و نوش اور ضروریات فوجی کی قسم کا لے لیا گیا فقط بمقدار ان کے اہل وعیال کی ضرورت کے ان کو دیدیا گیا۔ ادہر تو شہر میں غلہ کی کمی اُدھر آمد بالکل بند غرضکہ اس وجہ سے شہر میں سخت گرانی ہوگئی۔ پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کردیا۔ اس وجہ سے پانی کی سخت تکلیف ہوئی۔ اگر قشلہ (فوجی قیام گاہ) کا کنواں نہ ہوتا تو نہایت زیادہ اشکال کا سامنا ہوتا۔ اگرچہ شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی۔ اور اس کے پاس توپ اور عمدہ انگریزی رائفلیں بھی تھیں اور سامان جنگ نہایت کثرت سے تھا۔ مگر باوجود بھی بسیار ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ جب اونہوں نے ہجوم کیا منہ کی کھائی۔

دن رات برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں۔ ترکی فوج اُن کے مجمعول پر توپوں سے گولے بھی برساتی تھی۔ نصف
رمضان تک یہی حالت رہی اُس کے بعد وہ مصری فوجیں جو جدہ میں اس کے لے لینے کے بعد اتاری گئی
تھیں اور جنھوں نے مکہ معظمہ کے قلعہ اور قشلہ کو توپوں کے ذریعہ سے فتح کیا تھا۔ طائف میں مع توپوں
کے پہونچیں اور طائف کے چاروں طرف سے توپیں سات یا آٹھ نصب کر کے قلعہ اور قشلہ پر گولہ باری
کرنے لگیں۔ صبح صادق سے تقریباً بارہ بجے تک یہ عمل ہوتا رہا۔ اُس کے بعد توپیں ٹھہر جاتی تھیں۔ ترک بھی ان کا
جواب دیتے تھے۔ یہی حال عید مبارک تک رہا۔ افسوس کہ عید کے دن بھی شہریف کے لوگوں نے جنگ
کو موقوف نہ کیا۔

مولانا کا رمضان طائف میں

چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا اس
لئے نہ تو دن کو حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا۔ نہ مساجد
میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا۔ مسجد ابن عباس رضؓ وہاں کی بڑی مسجد ہے اس میں
بھی تراویح الم ترکیف سے ہوتی تھیں۔ اور اس میں بھی بہت کم آدمی آتے تھے۔ باقی لوگ محلہ کی مسجدوں
اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے۔ کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گذرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اولاً
مسجد ابن عباس میں حسب عادت سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی۔ مگر چونکہ راستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں
پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں۔ اس لئے اس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا۔ اور پھر ایک شب
میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوئے ہی تھے ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ رہے تھے اندھیرا
ہو چکا تھا کہ بدؤں نے ہجوم کیا۔ مسجد ابن عباس کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں
کا تھا۔ اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچہ بھی تھا۔ غرضکہ طرفین میں خوب تیز گولی اور گولوں
کی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں۔ جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک
کونہ میں جدھر گولیوں کے آنے کا گمان نہ تھا بیٹھ گئے۔ اس روز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمیوں
نے بوقت نمازِ عشا فرضِ عشا ایک طرف پڑھ کر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے۔ اس کے بعد احباب اور خصوصاً
سیّد امین عاصم صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجد ابن عباس میں نماز کے لئے نہ جایا کریں محمد علی
مکان کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقات خمسہ کی
نماز وہاں پڑھتے تھے۔ اُس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی۔ اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ

نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف بھی
اسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گذارتے۔ چونکہ گرمیوں کی رات تھی جلد تر سحور کا وقت
ہو جاتا تھا۔ پھر آکر کچھ سحری پکاتے جو کہ میٹھے چاول ہوتے تھے۔ مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی۔ اس لیے
شہد کو بجائے شکر چاول اور باجرہ میں استعمال کرتے تھے۔ اور اکثر تو نمکین چاول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا
اس وقت طائف میں چاول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہوتا تھا۔ ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنہ کو
بمشکل ملتی تھی۔ مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے چاول مولانا مرحوم کے لیے
ہدیۃً بلا طلب بھیجدیئے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے۔ اونہوں نے بہت کام دیا۔ اس مدت میں جو کہ تقریباً
دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ سخت گرانی کھا ڈالی۔

طائف سے روانگی

عید کے بعد چونکہ تمام اہل شہر بھوک سے مرنے لگے تھے حکام کے پاس جاکر
شکایت کی کہ اب ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا۔ ہمارے پاس جتنے حیوانات دودھ یا
سواری کے تھے کھا ڈالے غلہ سب ختم ہو گیا۔ اب ہمارے لیے کوئی صورت کیجیے ہم سب مرے جاتے
ہیں۔ اونہوں نے کہا کہ اچھا صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک باب ابن عباس سے روانگی کے لیے
ہم تم کو اجازت دیں گے۔ ہم اپنی حد میں تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچائیں گے باقی شریف کے آدمی تم
کو نقصان پہنچائیں تو اس کے ہم ذمہ دار نہیں۔

الحاصل لوگوں کو اس طرح ایک فارم معہ اُن کے اہل و عیال کے نام کے دیا جاتا تھا اور اُن سے عہد
لیا جاتا تھا کہ وہ کہیں آکر ترکی حکومت سے جنگ نہ کریں گے پھر ان کو معہ اُن کے ضروری اسباب کے باہر
نکلنے دیا جاتا تھا جب اس طرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھوں کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں۔
چنانچہ ۶ شوال ۱۳۳۴ھ کو بوقت صبح ہم بھی باب ابن عباس سے نکلے اور وہاں سے چل کر پھرتے ہوئے
(دقیم) میں پہونچے یہ وہ مقام ہے جہاں پر شریف کا بیٹا عبداللہ بیگ جو کہ کماندار بدوؤں کا تھا مقیم تھا
اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا۔ یہیں مصری فوج کے خیمے بھی تھے۔ چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی
اور نہ نقد وغیرہ، اور راستہ دور تھا۔ اودھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت ضعیف تھے تین دن تک پہاڑی
راستہ کو قطع کرنا آسان نہ تھا۔ علاوہ ازیں اسباب بھی تھا۔ اس لیے وہاں جانا ضرور ہوا۔ عبداللہ بیگ
سے ملاقات ہوئی۔ اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔ ایک خیمہ کھڑے کرنے کا حکم دیا۔ ایک دنبہ ذبح کرکے

دعوت پیش کی رعرب میں عادت ہے کہ معزز مہمان کی دعوت میں دُنبہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر
ایسا نہ کیا جاوے تو وہ کامل اکرام مہمان کا شمار نہیں ہوتا) اور پھر انجیر وغیرہ میوہ جات بھیجے۔ اور ایک اشرفی
نذر کی۔ اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو۔ علی الصباح تم کو روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر علی الصباح لڑائی پر
چلا گیا۔ اُس کے لوگوں نے خالی پشت شتر کا انتظام کر دیا کرایہ بھی خود دیا اور زادراہ بھی۔ اس طرح وہاں
سے روانہ ہو کر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہونچے۔ عمرہ کا احرام تھا۔ افعال عمرہ ادا کرنے کے
بعد معلوم ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گذرتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب مع متعلقین اور مولوی ہادی حسن صاحب
اور حاجی شاہ بخش صاحب جدہ تشریف لے گئے ہیں۔ کیونکہ جدہ میں ہندوستان جانے والا جہاز
آنے والا ہے۔ اس لئے ہندوستان کا قصد ہے۔ یہاں کے احوال دیکھ کر مولانا صاحب گھبرا گئے
اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کب تک آسکیں گے۔ چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا
خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ سے تعلقات نہایت قوی اور گہرے تھے۔ اس لئے مناسب نہ معلوم
ہوا کہ وہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات نہ ہو۔ نیز جدہ میں اور دوسرے کاروبار بھی تھے۔ ایک یا
دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرما کر جدہ سب کے سب پہونچے۔ وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رامپور
کی رباط میں اوپر کے طبقہ میں فروکش تھے۔ اسی کے وسطانی طبقہ میں ہم سبھوں نے بھی قیام کیا۔ چونکہ
جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اس لئے تقریباً پندرہ بیس دن وہاں قیام کرنا پڑا۔ جب جہاز آگیا تو حضرت
مولانا خلیل احمد صاحب مع اہلیہ صاحبہ و حاجی مقبول احمد صاحب و مولوی ہادی حسن صاحب و حاجی شاہ بخش
صاحب سوار ہو گئے ان کو جہاز تک پہونچانے کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے۔

الحاصل اس کے بعد پھر جدہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس چلے آئے۔ حج
کا زمانہ قریب تھا۔ حجاج کی آمد ہو رہی تھی۔ کاتب الحروف پر بعض احباب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ
کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں۔ چنانچہ ان کو شروع کرا دیا۔ اوائل
ماہ ذی الحجہ میں مولوی مسعود احمد صاحب بھانجہ و داماد خورد حضرت مولانا مرحوم اور مولوی ولی احمد صاحب
مدرس مدرسہ حسینپور ضلع مرادآباد اور دیگر حجاج تشریف لائے۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں
حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑ رہی ہیں۔ گورنمنٹ تک اس قدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم
کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہر آگبوٹ کی تفتیش بہت زیادہ کی جاتی ہے۔

آگبوٹ کے پہنچتے ہی پولیس کمشنر اور متعدد عہدہ دار آگبوٹ پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب بھی مجرد پہنچنے کے معہ ہمراہیوں کے زیر حراست لے لئے گئے اور سیدھے نینی تال بھیجدئے گئے۔ حاجی شاہ بخش صاحب اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدر آباد پہونچ کر وہ بھی زیر حراست لے لئے گئے۔ اس لئے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہو ابھی ہندوستان چلنے کا قصد مناسب نہیں۔ حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ جب ایام حج سر پر آگئے ہیں تو ایسی مبارک نعمت کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں مگر ہاں اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ گورنمنٹ کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پرخاش اور بدظنی نہیں۔ ہے تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہوجاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ آگئے اور تمام امور حج سے بحمد اللہ فراغت کاملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں یہ بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی کہ جناب حکیم عبدالرزاق صاحب نے بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحب ایک ہزار روپیہ مولانا مرحوم کے پاس اخراجات حجاز کے لئے روانہ فرمایا۔ کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہوچکا تھا اور باقی ماندہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی۔

مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہ اگرچونکہ مولوی مسعود احمد کی روانگی یکبارگی بلا شہرت ہوئی علی ہذا القیاس ان کا بمبئی میں پہونچنا بھی جہاز کی روانگی کے وقت ہوا جس کا اصلی سبب غالباً یہ تھا کہ حکیم صاحب موصوف کو یہ خیال غالباً اخیر میں ہوا۔ وہ ان روپیوں کو تاجروں کے ذریعہ سے بھی بھیج سکتے تھے۔ مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر کہ اگر مولوی مسعود احمد جائیں گے تو گھر کے سب لوگوں کا احوال بیان کردیں گے اور مولانا کو ا-بے حیلہ اقارب کی طرف سے مطمئن کردیں گے۔ ان کے واسطے سے بھیجنا ضروری سمجھا اور ان سے اس وقت کہا جب کہ جہاز کی روانگی سر پر آپہنچی تھی یہ بذریعہ تار دے کر ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کردیا۔ غرضکہ ان کی اور آگبوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ کو خبر پہنچی۔ اسلئے گورنمنٹ کو شبہ دلایا گیا کہ اس طرح روانہ ہونا خالی از علت نہیں ہوسکتا۔ ضرور کوئی چیز ان کے ہمراہ ہے چنانچہ جس وقت آگبوٹ عدن پہونچا۔ پولیس ان کی تفتیش کے لئے پیر آدھمکی۔ گرد ہاں کیا تھا تمام اسباب تفتیش کیا ہر چیز کو دیکھا کوئی مشتبہ چیز ہاتھ نہ آئی۔ آخر کار اپنا سا منہ لے کر چھوڑ دیا۔ مگر پھر بھی گورنمنٹ کو باور نہ ہوا۔ ایک شخص سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر مسمی بہاء الدین جدہ بھیجا گیا جو کہ بعہدہ

ظاہر یہ محافظ حجاج کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا۔ اور غالباً وہ مولانا مرحوم کے نقل و حرکت کی تفتیش کی غرض سے وہاں مامور ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اہل سورت و رانڈیر سے بعض احباب و تلامذہ نے بھی مولانا کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ ارسال کیا جو کہ بذریعہ تجار تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد صاحب اور عموماً حجاج واپس ہوگئے کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اس سال بند تھا مولوی مسعود احمد صاحب جب جہاز پر سوار ہوگئے تو بہاؤ الدین نے ان کی تلاشی آگبوٹ پر لی مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی۔ مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے ہی زیر حراست کر لئے گئے اور پھر ان کو الہ آباد جیل میں پہونچایا گیا۔ اور اس قدر سختی کی گئی کہ بیچارے نے جھوٹی جھوٹی باتیں بنا کر جان چھڑائی۔

خان بہادر مبارک علی ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی مکہ معظمہ تشریف لائے۔ سرکاری آدمی تھے لن ترانیاں خوب ہانکتے تھے۔ شریف صاحب کے یہاں پہونچے۔ ترکوں کو ہر مجلس میں برا کہتے تھے۔ حکومت موجودہ کی مدح سرائی میں زبان خشک ہو جاتی تھی۔ انہوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں۔ تاکہ حجاز کے احوال کو دریافت کرکے واقعی باتیں اہل ہند کو بتاؤں۔ کیونکہ ہند میں اس وقت بے چینی بہت پھیلی ہوئی ہے اور عموماً اہل ہند برطانیہ پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہ حجاز کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء مکہ کی طرف سے چھپوا دیا جائے جس میں ترکوں اور ان کی حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں۔ ان کے استحقاق خلافت پر پر زور مضمون سے رد کیا گیا ہو۔ اس موجودہ انقلاب اور حکومت حاضرہ کی بھلائیاں ذکر کی گئی ہوں چنانچہ ایک ایسا محضر تیار کیا گیا۔ اور وہاں کے ان علماء سے جن کو دربار شرافت میں دخل تھا۔ اور صاحب عزت و شوکت شمار کئے جاتے تھے اس پر دستخط اور مہر کرایا گیا۔ بہتوں نے خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط اور مہر کر دیا۔ خان بہادر موصوف کے پاس جب یہ محضر پہونچا تو انہوں نے کہا کہ ان علماء کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کرے گا مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلم شخص ہیں۔ ان کے اور دیگر علماء ہند کے دستخط اور مہر ہوں (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم کو وہاں سے پکڑا جائے۔ یا یہ قضیہ اتفاقیہ تھا) الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو کہ زمانہ حکومت ترکیہ میں مفتی احناف تھے اور اب انقلاب کے بعد عہدہ شیخ الاسلامی اور وکالت شرافت پر مامور ہوگئے تھے

بذریعہ نقیب العلماء مولانا کے پاس بھیجا۔ اواخر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لے کر مکان
پر آیا۔ اس زمانہ میں اہالی مکہ معظمہ میں سے جو لوگ مہاجرین ہند اور علم دوست تھے انہوں نے ظہر کے بعد
مولانا مرحوم سے بخاری شریف کو شروع کر رکھا تھا۔ مکان اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے جب وہ کاغذ
آیا تو چونکہ اس کی سرخی تھی "بیمن علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی" یعنی یہ تحریر مکہ
مکرمہ کے ان علماء کی طرف سے ہے جو کہ حرم شریف مکی میں پڑھاتے ہیں" اس لئے ان سے کہا گیا کہ "اولاً
اسی سرخی کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں کہ حضرت مولانا اس پر کچھ لکھیں۔ کیونکہ وہ علمائے مکہ میں سے
نہیں اور نہ حرم مکی یعنی مسجد الحرام میں مولانا نے کبھی تدریس کی۔ ثانیاً اس میں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کی گئی
ہے اور در بارہ اس کے جو کچھ احتیاط اور سخت احکام ہیں آپ کو معلوم ہے۔ ثالثاً اس میں وجہ تکفیر سلطان
عبد الحمید خاں کا تخت سے اتار دینا لکھا گیا ہے۔ حالانکہ کسی فقیہ نے اس کو موجبات کفر میں سے قرار
نہیں دیا۔ رابعاً اس میں خلافت سلاطین آل عثمان کا انکار کیا گیا ہے حالانکہ یہ امر مخالف نصوص شرعیہ
ہے خامساً اس میں اس انقلاب اور حرکت کو مستحسن دکھایا گیا ہے اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے"
چونکہ کاتب الحروف کی نقیب العلماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اس لئے ان سے تمام کیفیتیں ظاہر
کر دینے کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہہ دینا کہ مولانا نے اس پر دستخط اور مہر کرنے سے اس وجہ
سے انکار کر دیا کہ اس کا عنوان اہل مکہ اور مدرسین حرم کے ساتھ مخصوص ہے میں آفاقی شخص ہوں۔
پردیسی ہونے کی وجہ سے مجھکو کوئی استحقاق اس پر دستخط کرنے کا نہیں۔ اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری وجہوں کو
ان پر ظاہر نہ کرنا اگر پھر انہوں نے اصرار کیا تب ان وجہوں کو پیش کیا جائیگا وہ اسی وقت واپس ہو گئے اور
پھر کوئی جواب نہ لائے اس محضر کا شہر میں پہلے سے چرچا تھا۔ جو لوگ حقانی تھے ان کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے
پاس آیا تو ہم کیا جواب دینگے اور کس طرح جان چھڑائیں گے۔ مولانا مرحوم کے رد کرتے ہی تمام شہر میں مشہور
ہو گیا کہ مولانا نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اب تو دوسروں کو بھی ہمت ہو گئی۔
ادھر شیخ الاسلام صاحب کو تنبہ ہوا انہوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اس کو لکھا کہ
اس میں سے بحث تکفیر بالکل خارج ہو گیا۔ مگر دستخط کرنے کو پھر نہیں بھیجا۔ جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی
گئی تھی اس پر پہلے علماء سے فقط دستخط لیکر اخبار "القبلہ" میں چھاپ دیا گیا۔ اور اسی کو خان بہادر
مبارک علیخاں لے کر روانہ ہو گئے خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ کہیں شریف آپ کو کوئی اذیت

پہونچائے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے۔ مذہبی حیثیت سے اُس پر مہر و دستخط کسی طرح درست نہ تھا۔ آیندہ جو کچھ تقدیر الٰہی میں ہوگا جھیلیں گے۔

مولانا کو پہلے سے بھی بارہا یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں بلکہ شریف کے احاطۂ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر دیا ہے اور شریف سے اور گورنمنٹ سے ازحد اتحاد ہے پھر کیونکر بہتری کی امید کی جائے۔ اسلئے بارہا تقاضا فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہئے لیکن اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا۔ وہاں تو کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سا اسباب تھا۔ ان سب کے لئے متعدد سواریوں کی ضرورت تھی جن کے انتظام میں بڑا کھڑاگ اور بہت شہرت کا سامنا تھا۔ تسپر بھی فکر کیا گیا۔

حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر

ایام حج سے پہلے حکیم نصرت حسین صاحب ساکن کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور ہسوہ معہ اپنے پھوپھی زاد بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب کانپوری عدن اور پورٹ سوڈان ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے حکیم صاحب ممدوح نے دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا تھا یہاں ہی ان کی دستار بندی ہوئی تھی۔ مولانا مرحوم سے بیعت بھی تھے اور مولانا سے ان کو نہایت زیادہ تعلق تھا۔ طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خداپرست پائی تھی۔ احوال حاضرہ کی کشمکش اور عالم اسلام کے تسلط ہندوستان کی غلامی نے انکو سخت پیچیدگیوں میں ڈال رکھا تھا۔ ان دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے ہوئے حج کو تشریف لائے تھے والی مکلا سید ہاشم صاحب سے واقف تھے اور ان کے دادا مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کانپوری کے معتقدین میں سے تھے۔ انہوں نے ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدن پورٹ سوڈان تک اور وہاں سے جدہ کا ٹکٹ بھی دلوا دیا تھا۔ چونکہ حکیم نصرت حسین صاحب طب یونانی سے واقف تھے اور ان کے ساتھ مجرب دوائیں موجود تھیں انہوں نے حاکم مکلا کی دوا بھی ایک مدت تک کی تھی اور بظاہر وہ اسی غرض سے مکلا پہونچے تھے۔ پھر انہوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی ابتدائے ذی الحجہ یا اواخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ میں پہونچے عبدالقادر سکندران کا مطوف تھا چونکہ اُن دنوں وہ خود موجود نہ تھا۔ اس کے بیٹے اور نوکر وغیرہ موجود تھے اونہوں نے پوری طرح خدمت اور خبر گیری ان دونوں حضرات کی رکھی۔ اُس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کوئی ترکی ٹوپی کا استعمال کرنے والا سوائے ان دونوں کے نہ تھا۔ اسلئے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دونوں پر پڑتی تھیں۔ حج

سے فارغ ہونے کے بعد سید ہاشم صاحب ہندوستان واپس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف وہاں اس بنا پر ٹھیر گئے کہ شاید انہیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا راستہ کھل جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب ہو اور چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانے کا ہو چکا تھا۔ اسلئے اونھوں نے اسی مکان میں آجانا اور قیام کرنا مناسب سمجھا جہاں پر حضرت مولانا مقیم تھے۔ سید ہاشم صاحب کا جہاز جب عدن پہنچا وہاں پر امیر مکلا نے جو روپے ان کیلئے پہلے وعدہ کے طور سے تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل کے پیش کئے۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اولاً تو امیر مذکور اُن کے دادا کا معتقد تھا۔ اس کو بھی حیدرآباد سے تعلق ہے اور ان کے دادا صاحب بھی وہاں کے معتقد علیہ لوگوں میں سے تھے۔ ثانیاً یہ بھی سادات علویہ میں سے ہیں جن کا حضرموت میں قیام اور مرکز ہے۔ اور امیر مذکور اُن سادات کا ہمیشہ سے خادم اور معتقد رہا ہے۔ ثالثاً یہ دونوں وہاں اُس کے بطور مہمانی گئے تھے اس کے لئے ادائے خدمت و نذرانہ ضرور تھا۔ رابعاً حکیم صاحب سے اس نے مفید اور سریع التاثیر دوائیں پائی تھیں جن کو وہ ہزاروں کے خرچ میں بھی نہیں پا سکتا تھا۔ ان وجوہ سے اُس نے ان کیلئے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد جمع کر رکھا تھا۔ انکا جہاز جب عدن پہنچا تو یہ بوجہ واقفیت سابقہ اُس سے ملے اُس نے وہ نقد پیش کیا جب یہ بمبئی پہنچے تو گورنمنٹ نے اُن کو زیر حراست لے لیا اور جو کچھ نقد انکے پاس تھا وہ بھی ضبط کر لیا اور تہمت یہ رکھی کہ تم اس سے امیر کابل سے سازش کرنا چاہتے ہو۔ بیچارے ایک مدت تک الہ آباد اور فتحپور کی جیل میں رہ کر پھر چھوٹے مگر نقد اب تک نہیں ملا۔

واقعہ اسارت مکہ معظمہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس فتوے کے واقعہ کے بعد ہم کو عموماً اور مولانا کو خصوصاً اسکا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جانا اور خصوصاً شریف کی قلمرو سے بیرون ہو جانا نہایت ضروری ہے مگر اسباب اور ہمراہیوں کے تعدد کی وجہ سے اشکال تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقاضا بھی شدید تھا بہت کچھ انتظام کیا جسکی کچھ صورت ہو گئی تھی۔ غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم روانہ ہو چکے تھے مگر تقدیر کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے۔ شریف صاحب جدہ گئے اور وہاں کرنیل ولسن معتمد برطانیہ سے خدا جانے کیا گفت و شنید ہوئی کہ شب کو شیخ الاسلام کے نام حکم آیا کہ مولانا اور اُن کے جملہ ہمراہیوں اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سید ہاشم صاحب کو زیر حراست یہاں بھیجدو۔ مگر سید صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ روانہ ہو گئے سید امین عاصم صاحب کو اسکی خبر رات کو ہی ہو گئی تھی۔ مگر اونھوں نے ہم کو کچھ نہیں بتایا۔ صبح کو شیخ المطوفین احمد بجی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا۔ اس وقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مولوی عزیر گل صاحب

اور دوسرے رفقاء تھے کاتب الحروف نہ تھا اس نے کہا کہ تمہاری گورنمنٹ جسکی تم رعایا ہو تم کو طلب کرتی ہے
اسلئے مجکو شریف کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کیساتھ روانہ کردوں۔ جس سواری کی اور جتنی سواریوں کی
ضرورت ہو ہم کو بتلا دو تاکہ ہم اُن کا انتظام کردیں۔ مولوی عزیز گل صاحب سے اسکی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی جسکا خلاصہ
یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں امان لئے ہوئے پڑے ہیں۔ اگر شریف
ہم کو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نہ جائیں گے۔ جب تک کہ تم ہم کو ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو۔ وہ کچھ
پیچ و تاب کھا کر جواب دے رہا تھا اتنے میں میں (کاتب الحروف) پہونچگیا۔ قصہ دریافت کیا حال معلوم
ہوا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ سید امین عاصم صاحب سے اس بارے میں چارہ جوئی کرنی چاہیے وہ کچھ
اس بارہ میں سعی کریں۔ چنانچہ ہم سب ان کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ
حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے۔ پھر آخر کار رائے یہ ہوئی کہ سب کو مل کر شیخ الاسلام کے پاس
حمیدیہ میں جہاں حکام کا مرکز ہے چلنا چاہیے۔ اور اس سے گفت وشنید کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہاں گئے
اول سید صاحب اوپر گئے اور ہم سبھوں کو نیچے بٹھا گئے۔ اُنہوں نے جب شیخ الاسلام سے گفتگو کی تو
اس نے وہی فتوے پر دستخط نہ کرنے کا الزام رکھا اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ نیچے موجود ہیں۔ ان میں سے
حسین احمد عربی میں آپ کو وجہ اور اصلیت بتلا سکتا ہے۔ اس کو بلایئے اور تحقیق کیجیے۔

شیخ الاسلام سے گفتگو الغرض مجکو بلایا گیا اُنہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں۔ ہمکو
باغی کہتے ہیں ہمکو خارجی کہتے ہیں۔ اس لئے انکو باغیوں کی حکومت میں نہ رہنا چاہیے میں نے کہا کہ آخر
آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا اُنہوں نے کہا کہ مولانا نے فتوے پر دستخط کیوں نہیں کئے میں نے کہا کہ آپ
خود نقیب کو بلا کر پوچھئے چونکہ اس کا عنوان (سرخی) یہ تھا کہ من علماء مکة المکرمة المدرسین بالحرم المکی
(تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکۃ معظمہ کے علماء میں سے ہوں اور نہ میں مسجد الحرام میں پڑھاتا ہوں اس لئے)
مجکو اس پر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اس نے اس جواب کا انکار کیا آخر کار نقیب بلایا گیا۔ اور اس
نے اسکی تصدیق کی۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم سے نافرمانی کرتے ہو میں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ
آپ ہم کو کل تک کی اجازت دیدیں کل کو شریف صاحب خود آجائیں گے ہم اُن سے کچھ عرض کریں اگر وہ
راضی ہوئے تو ہم امتثال حکم کے لئے تیار ہیں۔ کہا کہ یہ نافرمانی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ استرحام ہے اور استرحام
بادشاہ اور وزیر سبھوں سے ہو سکتا ہے۔ تب ذرا ڈھیلا ہو کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں میں
نے کہا کہ آپ کو غلط خبر پہنچائی گئی ہے۔ مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے اور

سننے کے واسطے لوگ جمع ہوجاتے ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کی جاتی۔ اس نے کہا کہ اس میں پہلے یا بعد
کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا؟ میں نے کہا کہ ہاں کبھی بعد درس کے بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آگئی ہیں
تذکرہ ہوتا ہے جن کا تعلق آپکے داخلی احکام و نظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں کہا کہ
مولانا مغرب کے بعد مسجد الحرام میں بھی سیاسی مجلس منعقد کرتے ہیں میں نے کہا کہ یہ بھی غیر واقعی خبر ہے مغرب کے
بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے ہیں اس کے بعد ہم فقط چند خدام مولانا کے پاس حاضر ہوجاتے ہیں۔
وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیاست سے کوئی تعلق ہوتا ہے اس نے کہا کہ تو نے حافظ عبدالجبار
صاحب دہلوی کی دوکان پر یہ کہا کہ یہاں پر سب چیزیں اور احکام انگریزی ہوگئے ہیں میں نے کہا کہ میں نے
سب چیزیں اور سب احکام کو نہیں کہا بلکہ ایک کتاب کی جلد باندھ کر ایک صاحب لائے تھے ان سے حاضرین
میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی جلد باندھ کر لائے ہو اس نے جواب دیا کہ افرنجی باندھکر لایا ہوں میں نے کہا
کہ افسوس اب سب چیزیں افرنجی پسند ہونے لگیں میرا اشارہ اور مطمح کلام جلد کے سوا دوسرا کوئی امر نہ تھا میں
نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیوں کر فرما لیتے ہیں اس نے کہا کہ ہمارے پاس خبر لانے والے تو یہی لوگ
ہوتے ہیں۔ فرشتے تو لانے سے رہے ہیں۔
الغرض اخیر میں اس نے اجازت دیدی کہ کل کو شریف آجاوے گا تو خود ان سے گفتگو کرلیگا ہم خوشی خوشی
گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تمام راستہ بیان کرتے رہے خیال یہی ہوتا تھا کہ شب
کو کسی طرف نکل جاویں تاکہ ان کے دست برد سے بچے رہیں۔

مصالحت کی کوشش

اگر حافظ عبدالجبار صاحب دہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے صفائی
ہو جاوے تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ لیگا اس لئے لوگوں کو درمیان میں ڈالکر کچھ گفتگو
کی اور مجھکو بلا کر کہا کہ اگر تو اس پر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ چوم کر معافی طلب کرے تو یہ سب قصہ رفع دفع
ہو جاوے میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کیلئے شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار میں پیر چومنے کے لئے بھی تیار ہوں۔
انہوں نے فرمایا کہ مغرب کے بعد تو ہمارے مکان پر آجانا ہم تجھ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائیں گے
اور پھر جس وقت ہمارا آدمی تیرے پاس آوے اس وقت تو اس کے ساتھ چلے آنا۔ الغرض ایسا ہی کیا گیا
مغرب عشا کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہوکر علی مالکی (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے وہیں شیخ الاسلام شام
کو بوجہ اپنی سسرال ہونے کے بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہیں پہنچا شیخ الاسلام

کے ہاتھ چومے اور معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ خواہ ہم نے ترکوں سے لڑنے میں غلطی کی یا صواب کیا مگر اب جب کہ لڑائی ٹھن گئی اور ہم اس میدان میں آ گئے ہیں تو جب تک کہ ہماری عورتیں اور بچے باقی ہیں ہم لڑتے رہیں گے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھوڑی دیر بیٹھ کر قہوہ پی کر میں چلا آیا۔ اب جملہ احباب کو بھی اور ہم کو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جاوے۔ اگلے روز جب شریف صاحب آئے تو شیخ الاسلام نے اس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم سبھوں کی نسبت) رات کو آئے تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں تم نے انکو شب ہی کو روانہ کر دیا۔ اُن کو آج ہی روانہ کرو۔ ان کو کسی طرح مت معاف کرو۔ اور بہت سختی کے کلمات کہے۔ اس خبر کے پہنچنے پر ہم میں سے بعض احباب کی رائے ہوئی کہ مولانا کو اور ان کے ساتھ وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے اور شب کو ان کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائیگا۔ باقی لوگوں کو دو چار دن غایۃ مافی الباب قید رکھیں گے۔ پھر چھوڑ دیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا آدمی مجکو اور وحید کو بلانے کیلئے پہونچا وحید موجود نہ تھا مجکو حمیدیہ میں بلا کر لائے کمشنر پولیس نے مجکو کہا کہ تو انگریزی حکومت کو بُرا کہتا ہے۔ اب اس کا مزہ چکھ اور قید خانہ میں مجکو بھیجدیا۔

مکہ معظمہ کے قید خانے

مکہ معظمہ میں تین قید خانے ہیں ایک متمدن اور دو غیر متمدن۔ متمدن قید خانہ تو حمیدیہ میں ہے جس میں آدمی مکان سے باہر نہیں جا سکتا ہے اسکا لباس وغیرہ وہی رہتا ہے۔ اس سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا اُس سے جو شخص چاہے آ کر مل سکتا ہے لوگوں کا کھانا اُن کے گھروں سے آتا ہے اور غیر متمدن قید خانے شریف کے مکان کے پاس ہیں۔ ایک تو تہ خانہ ہے جس میں بہت سی سیڑھیوں سے اُترنا ہوتا ہے اس میں روشنی بالکل نہیں دن و رات وہاں یکساں رہتا ہے اور دوسرا مرتبہ اس میں وہ ہے جس کو تخشیہ کہتے ہیں لکڑیوں میں پیر ڈال دیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا۔ اس اندھیرے میں ننگا اور زاد لکڑی کے تختوں میں پیر پڑا رہتا ہے۔ غرضکہ یہ دونوں قید خانے نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے ہیں۔ کاتب الحروف کو اُس متمدن قید خانہ حمیدیہ میں رکھا گیا (شام اور صبح کو کھانا ستیا ابن ہاشم حسب مطلوب نے بھیجا۔)

اس کے بعد پولیس نے مولانا کو تلاش کیا۔ چونکہ مکان پر موجود نہ تھے۔ اس لئے مولوی عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں سے ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔ اونہوں نے میری نسبت

دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ تو قید خانہ میں ہے ان دونوں خدام نے مولانا کی لاعلمی بیان کی۔ باوجود سخت تقاضے اور دھمکی موت کے ان خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا۔ بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت کے آمد تک مقید رکھے گئے اور شریف کے نوکر چاکر حضرت کی تلاش میں رہے۔

دہلی کے تاجروں کی ہمدردی

دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف کے یہاں پہونچی اور کہا کہ ہم آپ کی خدمت میں استرحام کے لئے آئے ہیں اگر مولانا اور ان کے رفقاء سے کوئی قصور ہوا ہو تو آپ خود ان کو اپنی مملکت میں سزا دیں غیر مسلم قوموں کے حوالے کیوں کرتے ہیں اور حرم خداوندی سے کیوں نکالتے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جب کہ ترکوں نے بعض آدمیوں کو قید کر کے فلاں تاریخ کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مانع ہوئے تھے اور ان کو چھڑا دیا تھا۔ پھر اب تو آپ خود مستقل ہیں اب تو ہماری امیدیں آپ سے بہت زیادہ وابستہ ہیں اس نے جواب دیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی ابھی نئی ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہم ان کی رعایا کو کوئی سزا دیں اور پھر وہ ہماری دوستی میں فرق اور خلاف کی باعث ہو ہم کو ان کی دوستی قائم رکھنی ضروری ہے ہم کسی طرح اس وقت کوئی رعایت نہیں کر سکتے (حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود مجبور تھا غالباً اس پر حکم کیا گیا تھا کہ مولانا کو تسلیم کر دے) غرضکہ ان کی بھی کوئی بات نہ سنی گئی جب شام کا وقت ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر کے ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں ہیں۔

شریف نے حکم کیا کہ اگر عشاء تک مولانا موجود نہ ہوئے تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے مار دو اور مطوف کے تنو کوڑے لگاؤ اور مطوفیہ چھین لو۔ اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو خبر پہونچی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار پہونچایا جائے۔ جو کچھ ہوگا میں اپنے سر پر جھیلوں گا اور نکلنے کے لئے تیار ہوئے احباب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلئے تاکہ لوگوں کو خیال ہو جائے کہ یہاں تھے ہی نہیں چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آ گئے۔ اسی وقت اونٹ وغیرہ حاضر کئے گئے اور چاروں آدمی تقریباً عشاء کے وقت وہاں سے دو اونٹوں پر روانہ کر دیئے گئے۔ مولانا روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ "الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"۔

منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے ان کو علیحدہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ دینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا۔ میں رفقاء میں سے

ہنیں ہوں۔ مگر ان سے کسی نے تعرض بھی نہ کیا۔ مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لئے ہوئے حفاظت کے لئے ساتھ تھے جو نوبت بنوبت ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے۔ یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ صفر شب یکشنبہ ۱۳۳۵ھ ہجری کو ہوا دوشنبہ کی صبح کو ۲۴ صفر کو جدہ پہونچے۔

مجکو (کاتب الحروف کو) قید خانہ میں کوئی حالت صبح تک معلوم نہ ہوئی صبح کو جب احباب ملنے آئے تب سب کیفیت معلوم ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سید ابن عاصم صاحب کے بھانجہ زادہ سید احمد جعفری آئے اور کہا کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ ہم نے پتر سے چھڑانے کے لئے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفا ہے اس لئے کم از کم آٹھ دس دن تک تجھکو قید خانہ میں رہنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کے لئے نکلا ہوں۔ اس لئے مجکو خدمت میں رہنا ضروری ہے۔ اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لے گئے تو اپنے ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں وہاں مجھ سے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں۔ اور اگر کسی دوسری جگہ ان کو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اس لئے جس طرح ممکن ہو مجکو مولانا کے پاس بھجوا دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے ہم ابھی شیخ الاسلام سے جاکر کہہ دیتے ہیں کہ مادہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا اخراج کرنا مناسب نہیں اس لئے اس کو بھی وہاں بھیجدو غالباً وہ اسی وقت تجھ کو بھی وہاں بھیجدیں گے میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے۔ پھر نہ معلوم ان سے کیا باتیں ہوئیں ظہر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجھ کو جدہ جانے کا حکم ہوا ہے میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جاکر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقی ماندہ جس قدر اسباب حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اس کو بھی منتظم کرکے حافظ عبدالجبار صاحب کے سپرد کیا کہ آپ ان تمام اسباب کو خچروں پر جدہ مطوف صاحب کے وکیل کے پاس بھجوا دیں۔ الغرض مولانا کی روانگی کے بعد اگلے دن خچروں پر مجھکو زیر حراست روانہ کیا گیا چونکہ اونٹ جدہ اور مکہ کے درمیان دو دن لگاتا ہے اور خچر ایک ہی شب میں پہنچتا ہے اسلئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد میں بھی پہونچ گیا۔ جدہ کے قید خانہ کے وزارہ میں ایک کمرہ تھا وہاں پر مولانا مع اپنے رفقاء کے فروکش تھے وہاں ہی مجھے بھی پہنچا دیا گیا مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا حاضر ہو جانے پر اطمینان ہوا

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب	بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جناب سرور کائنات آقائے نامدار حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے اور ہم

سب بنائے جا رہے ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ کی تجہیز و تکفین وغیرہ سب امور کا میں متکفل ہوں
اور پھر اپنے دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین ہم طالب علم کس
طرح سے پورے طور پر ادا کر سکیں گے پھر دیکھا میں نے کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی
امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اس کے سامنے دوزانو مراقب بیٹھے ہوئے ہیں اور میں
چاروں طرف ادر گرد تجہیز تکفین غسل وغیرہ کا انتظام کرتا پھر رہا ہوں تعبیر چونکہ ظاہر تھی کچھ بیان نہیں فرمایا
شام کے وقت انسپکٹر سی آئی ڈی بہاؤ الدین محافظ حجاج آئے اور اونہوں نے کہا کہ کل کو آگبوٹ
جانیوالا ہے۔ اگر آپ اس میں چلیں تو میں آپ کا انتظام کروں۔ ہم نے اُن سے کہا کہ آپ معتمد برطانیہ
کرنیل ولسن کی طرف سے مامور ہو کر ہمارے پاس آئے ہیں یہ کہدیجئے کہ ابھی تک ہمارا سارا سامان مکہ
معظمہ سے نہیں آیا۔ اس لئے ہم اگلے آگبوٹ میں جائیں گے اور پھر دوسری بات ہم آپ سے بحیثیت
ہندوستانی اور مسلمان ہونے کے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو اس وقت ہندوستان بھیجا گیا تو
جو واقعات حجاز کے ہیں ہم بلا کم و کاست وہاں کہیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپائیں گے اور یہ
امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ مخالف ہوگا اس لئے آپ کوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ
ہم کو یہاں ہی کسی جگہ رکھدے خواہ جدہ میں یا اور کسی قریہ یا قصبہ میں۔ اونہوں نے کہا کہ بہتر ہے۔ اگلے
روز وہ آئے اور ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اوپر کے طبقہ میں جو کہ خالی تھا۔ ہم کو رکھا اور نیچ کے طبقہ میں
خود رہتے تھے۔ اور نیچے دروازے پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو جہاز اس وقت موجود تھا وہ
روانہ ہوگیا۔ کرنیل ولسن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا۔ تقریباً ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد آیا۔ اونہوں نے
اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ ممکن نہیں کہ ان کو یہاں چھوڑا جائے۔ کیونکہ شریف کہتا ہے کہ میری
قلمرو میں ان کا چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے ان کو مصر بھیجنا چاہئے۔ جب ہم کو یہ خبر پہونچی تو
ہم نے کہا کہ مصر سے تو ہندوستان ہی اچھا ہے۔ آپ ہندوستان کے لئے ان سے زور دیجئے۔
اونہوں نے جواب دیا کہ اب وہ ہندوستان کیلئے کسیطرح تیار نہیں ہوتا (یہ سب اُن کا بیان ہے)

جدہ سے روانگی الغرض بروز جمعہ ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ جدہ سے سوئز
کو خدیوی آگبوٹ پر ہم کو سوار کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا۔ نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی
پڑھتے تھے جمعہ کے روز بہاؤ الدین ہمارے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا۔ اور پھر ساتھ

ہی واپس ہوتا تھا۔ بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تھی تو اس کو اپنے ہمراہ لیجا کر خرید دیتا تھا
یا اپنے نوکر کے ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوا دیتا تھا۔ جہاز پر سوار ہونے تک ہم اُس کے زیر حراست
رہے اور جہاز کی روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری حفاظت کرتے رہے جب کہ وقت روانگی کا
آگیا چلے گئے۔ جہاز پر کوئی پولیس ہم پر نہ تھی۔ جدہ میں کھانا گورنمنٹی خرچ سے بواسطہ بہاؤ الدین ۔
عبدالرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا۔ قیام جدہ میں بھی مولانا نے دو خوابیں دیکھیں
ایک یہ کہ وہ ایک سیاہ بھینسا نہایت مضبوط مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اس نے اپنے سینگ مولانا کے
سینہ مبارک سے لگادیئے ہیں۔ اب یہ خیال ہے کہ اگر اس نے ذرا بھی دھکہ دیا تو مجکو گرا دے گا۔ مگر
وہ سینگوں کے لگادینے کے بعد ساکت و صامت کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ مولانا کی ہمدردی کر رہے ہیں
اور اس کو پیچھے سے مارنا چاہ رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ اگر تم نے اس کو مارا تو مجھ کو
آگے کو دھکیل کر ہلاک کر دے گا۔ اسی حال میں مولانا نے اس کو غفلت دے کر ایک طرف کو اپنے
آپ کو نکال لیا۔ اور ہٹ گئے اس نے بھی کوئی تعاقب نہ کیا"۔ اس کی تعبیر تو یہ دی انشاء اللہ العزیز
بغیر کسی کی سعی کی افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے نجات پائیں گے۔

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھی دیکھا کہ وہ ایک میدان میں ہیں اور سامنے ایک باؤلا سفید
کتا بیٹھا ہے اس پر جنون اس قدر سخت غالب ہے کہ منہ سے جھاگ جا رہے ہیں لوگ اس پر پتھر
اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور مجھ پر حملہ کرنے سے ہٹ جاوے مگر ہٹتا نہیں۔
تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور مولانا محفوظ ہو گئے۔ اس کی تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سویز کا پہونچنا جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز سہ شنبہ ۱۶ر جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲
ربیع الاول سویز میں صبح کو پہونچا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک گارد تقریباً اٹھارہ بیس گوروں کی سنگین
اور بندوق لئے ہوئے پہونچی اور ہم کو قریب کے فوجی کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا لے گئی۔
وہاں ایک خیمہ میں ہم کو ٹھہرا دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ کل تم کو مصر روانہ کیا جاوے گا۔ ہم پر ہندوستانی سپاہی
پہرے کے لئے مقرر کئے گئے۔ اور ہندوستانیوں ہی سے کھانا پکوا کر ہمارے واسطے دیا گیا۔ صبح کو نماز
کے وقت ہم کو ریل پر سوار کرا دیا گیا۔ درجہ تھرڈ کلاس تھا اور تقریباً چودہ یا پندرہ گورے سنگین لگائے
ہوئے ہماری حفاظت کو ساتھ تھے۔ اسباب سب ہمارا ہمارے ساتھ تھا۔ گوروں کی گارد جنکشنوں پر

ایک یا دو جگہ بدلی سہ پہر کو تقریباً ۳ بجے اسی روز یعنی چہارشنبہ ۱۷ جنوری مطابق ۲۳ ربیع الاول گاڑی قاہرہ کے اسٹیشن پر پہونچی۔ یہاں ہم اتار لئے گئے چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی۔ گورے سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لئے ہوئے حفاظت کرتے رہے پھر عصر کی بھی نماز وہیں پڑھی جب کہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ دن باقی تھا۔ اس وقت موٹر آیا۔ اور ہم کو معہ جملہ اسباب کے جیزہ لے گیا۔

مصر اور جیزہ ملک مصر کا دار السلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے یہ مصر میں سب سے بڑا شہر ہے اور جب سے اسلام نے اپنا سکہ یہاں جمایا ہے ہمیشہ بادشاہان مصر کے قیام کی جگہ یہی شہر رہا ہے۔ نہایت پُر رونق اور آباد شہر ہے۔ خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے۔ اس کا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹتی ہیں۔ علمی حیثیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے جامع ازہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ علاوہ اس کے مختلف علوم وفنون کے یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج اور سکول وغیرہ ہیں۔ یہ شہر دریائے نیل کے دائیں جانب واقع ہے اور دریا کے بائیں جانب کی آبادی کا نام جیزہ ہے۔ آج کل جیزہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے۔ دریائے نیل نے ان دونوں آبادیوں کو جدا کر دیا ہے۔ دریا پر متعدد مقامات میں پل بنے ہوئے ہیں۔ جو کہ کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے کشتیاں گذر سکتی ہیں۔ ٹریم دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہے اہرام مصر بادشاہان قدیم کی عمارت یہاں جیزہ ہی میں واقع ہے یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیلخانہ تھا جس کو سیاہ جیلخانہ کہتے تھے چونکہ اب خود قاہرہ میں جیل خانہ بنا دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ جیل خانہ بیکار ہو گیا تھا۔ سوداگروں کو تجارتی مال وسامان رکھنے کے لئے کرایہ پر دیا جاتا تھا۔ زمانہ جنگ میں جب کہ سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کی ضرورت ہوئی تو اس کو خالی کرا لیا گیا۔ اور اس کو معتقل سیاسی (سیاسی قیدخانے) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں پر ان دنوں ڈیڑھ یا دو سو سے زائد سیاسی لوگ قید تھے۔ جن میں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے ہندوستانی بھی تقریباً آٹھ دس تھے جنمیں کے عموماً وہی لوگ تھے جنہوں نے مصر میں بودوباش اختیار کر رکھا تھا ہم مغرب سے کچھ پہلے یہاں داخل کئے گئے ہماری تلاشی لی گئی ہمارے پاس چھری یا استرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ لیا گیا اور نقد سے استفسار کیا گیا۔ اسوقت ہمارے پاس ۸۱ پونڈ انگریزی اور کچھ تفاریق تھی جنکو ہمنے منظر احتیاط مکہ معظمہ سے ساتھ لیلیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ

چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر منگا لیں گے وہ سب لے لئے گئے اور بعد امانت رکھ لئے گئے اور کہا گیا کہ جب تم کو ضرورت ہوا کرے گی ملا کرے گا۔

ہم کو اندرون قید خانہ جہاں قیدی رہتے تھے شب کو داخل نہیں کیا گیا بلکہ دیوار ہائے قید خانہ کے اندر قیدیوں کے کٹہرے سے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اس میں چار پائیاں بچھا دی گئیں اور کھانا چاء وغیرہ ہم کو دی گئی چاء تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبند کابلی وغیرہ حضرات نے بھیجی مگر کھانا ترکی مطبخ میں سے گورنمنٹ کی طرف سے آیا۔ رات بخیر و عافیت ہم نے خیمہ میں گذاری وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم مکہ معظمہ سے جو کہ گرم جگہ ہے گئے تھے۔ مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے اس لئے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی۔ صبح کو ہم سے بلا کر پوچھا کہ یہ مقدار راشن کس کے نام سے لکھی جاوے ہم سبھوں نے اتفاق سے کہا کہ ہم پانچوں سب مشترک ہیں کسی خاص نام کو مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس کے بعد ہماری چارپائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل کر دی گئیں اور باہر سے دروازہ لوہے کی سلاخوں کا مضبوط تھا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اول وہاں کے دفتر میں لے گئے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں ٹریمویے میں لے گئے کیونکہ جگہ بہت دور تھی۔

ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا اس میں تین نشستیں تین انگریزوں کی تھیں دو ان میں سے اردو نہایت صاف بولتے اور سمجھتے تھے۔ مولانا کو کرسی پر بٹھایا گیا۔ اس کے پاس چھپے ہوئے کاغذات تھے جن کو گورنمنٹ ہند نے ہم سبھوں کے متعلق خبریں جمع کر کے چھاپ کر وہاں بھیجے تھے مولانا مرحوم کی ڈاڑھی بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اس وقت کچھ پیشاب کا بھی تقاضا تھا کچھ تنہائی رفقا کا خیال کچھ انگریزوں اور دنیاوی حکام سے نفرت اس نے اولاً مولانا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھیں۔ مولانا نے نہایت مختصر اور محض اکھڑے ہوئے طریقہ پر بلا التفات و توجہ کے جوابات دیئے جس طریقہ کو غالباً اس نے اپنی تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس نے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اور ان سے طرز معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے۔ اس نے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد سوالات کئے:۔

سوال مستنطق۔ آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا؟

جواب مولانا۔ اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بنا پر۔

مستنطق۔ آپ نے اُس پر کیوں نہ دستخط کیے؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

مستنطق۔ آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتویٰ ہندوستان میں پیش کیا گیا تھا؟

مولانا۔ ہاں۔

مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ رد کر دیا۔

مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

مستنطق۔ آپ مولوی عبید اللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا۔ ہاں

مستنطق۔ کہاں سے؟

مولانا۔ اونہوں نے دیوبند میں مجھ سے عرصہ دراز تک پڑھا ہے۔

مستنطق۔ وہ اب کہاں ہیں؟

مولانا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہے کہ حجاز وغیرہ میں ہوں۔

مستنطق۔ ریشمی خط کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا۔ مجکو کچھ علم نہیں۔ نہ میں نے دیکھا ہے۔

مستنطق۔ وہ لکھتا ہے کہ آپ اُس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں۔ اور آپ فوجی کماندار ہیں۔

مولانا۔ وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بھلا میں اور فوجی کمانداری۔ میری جیسی حالت ملاحظہ فرمایئے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسہ کی تدریس میں گذرانی مجھ کو فنون حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔

مستنطق۔ اس نے دیوبند میں جمعیتہ الانصار کیوں قائم کی تھی؟

مولانا۔ محض مدرسہ کے مفاد کے لئے۔

مستنطق - پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا - آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

مستنطق - کیا اُس کا مقصد اس جمعیتہ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

مولانا - نہیں۔

مستنطق - غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا - غالب نامہ کیسا؟

مستنطق - غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر حجاز سے گیا ہے۔ اور آپ نے غالب پاشا سے اس کو حاصل کیا ہے؟

مولانا - مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں۔ وہ میرا رفیق سفر تھا مدینہ منورہ سے مجھ سے جُدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مکہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھیرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

مستنطق - محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا - مولوی محمد میاں کہاں ہیں؟

مستنطق - وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں چلا گیا۔

مولانا - پھر آپ کو خط کا پتہ کیونکر چلا؟

مستنطق - لوگوں نے دیکھا۔

مولانا - آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں تک کہاں گذر ہو سکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص۔ نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط ضبط۔ حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہونچا اپنے امور دینیہ میں مشغول ہوگیا غالب پاشا حجاز کا اگرچہ گورنر تھا۔ مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں تک رسائی نہ حج کے پہلے ہو سکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ کسی نے یوں ہی اڑائی ہے۔

مستنطق - آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا - بے شک۔

مستنطق۔ کیونکر؟

مولانا۔ جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت اونہوں نے مسجد نبوی میں علماء کا مجمع کیا۔ مجھ کو بھی حسین احمد اور وہاں کے مفتی اُس مجمع میں لے گئے اور اختتام مجمع پر اونہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرادیا۔

مستنطق۔ آپ نے اُس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ کیوں؟

مولانا۔ مصلحت نہ سمجھا۔

مستنطق۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ حسین احمد نے کی؟

مولانا۔ ہاں

مستنطق۔ پھر کچھ انور پاشا نے آپ کو دیا؟

مولانا۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آئے تھے۔

مستنطق۔ پھر آپ نے کیا کیا؟

مولانا۔ حسین احمد کو دے دیا تھا۔

مستنطق۔ ان کاغذات میں لکھا ہے کہ آپ سلطانِ ترکی اور ایران اور افغانستان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کرا کے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرانا چاہتے ہیں۔ اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔

مولانا۔ میں تعجب کرتا ہوں آپ کو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گذر چکے ہیں۔ کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہونچ سکتی ہے اور پھر کیا پہا سال کی اُن کی عداوتیں میرا جیسا شخص زائل کر سکتا ہے اور پھر اگر زائل بھی ہو جاوے تو کیا

ان میں ایسی قوت ہے کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھکر ہندوستان کے حدود پر فوجیں پہونچا دیں۔ اور اگر پہنچا بھی دیں۔ تو آیا اُن میں آپ سے طاقت جنگ کی ہوگی۔

مستنطق۔ فرماتے تو آپ صحیح ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں کی باتیں کس قدر پایۂ اعتبار رکھ سکتی ہیں۔

مستنطق۔ شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانا۔ وہ باغی ہے۔

مستنطق۔ حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں؟

مولانا۔ "خوب" وہ میرے اُستاذ زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں۔ میری تمام عمر ان کے ساتھ گذری ہے۔

غرضکہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا۔ حدودِ افغانستان اور قبائل و نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کئے۔ مولانا بھی مختصر مختصر جملوں میں مگر نہایت بے رُخی کے ساتھ جواب دیتے رہے وہ سب کو انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں واپس کر دیا۔ مگر مولانا جیل میں واپس ہونے کے بعد ہمارے پاس نہیں لائے گئے۔ بلکہ اندر جیلخانہ میں بھیجے گئے اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھری میں بند کر دیئے گئے اُس کوٹھری میں تین چارپائیوں کی جگہ تھی۔ دو برابر طول میں بچھ سکتی تھیں اور ایک عرض میں۔ مگر ایک ہی چارپائی اُس میں بچھی ہوئی تھی۔

مصر کے سیاسی قید خانے کی چارپائی

وہاں چارپائیاں چیڑ کی لکڑی کے تین تختے سے لمبائی میں دو پٹیوں پر رکھدینے سے بن جاتی ہے اِن دونوں پٹیوں میں معمولی سہ شاخہ پائے جڑے ہوتے ہیں اس صورت پر [پٹی / پائے] اس چارپائی کی نقل و حرکت میں آسانی ہوتی ہے۔ تینوں تختے اوپر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور دونوں پٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں اس چارپائی پر موٹا گدا بچھا ہوا تھا جسمیں ناریل کا صوف بھرا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھانے اور دو اوڑھنے کیلئے رکھے تھے

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد

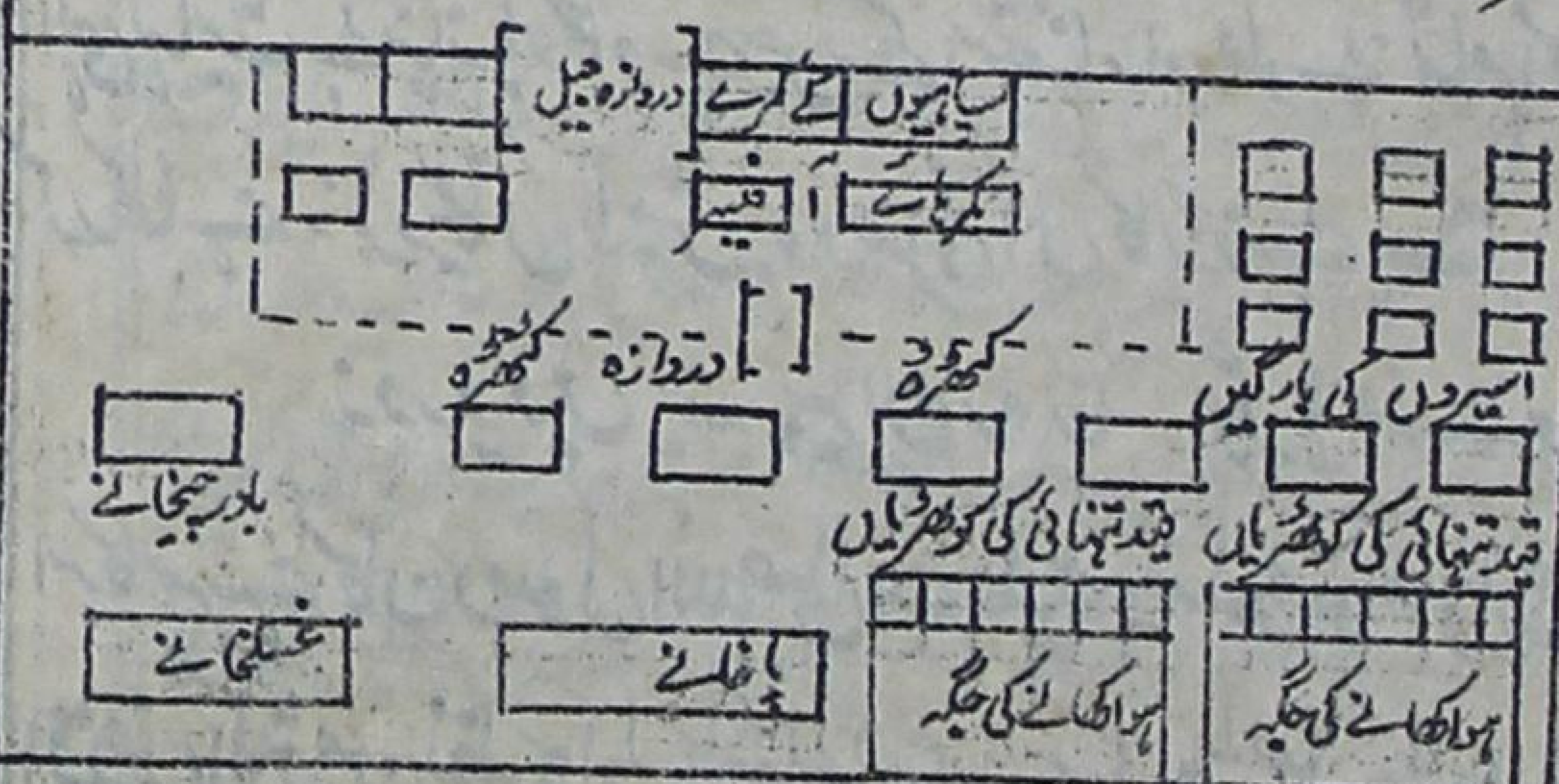
کوٹھری میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جسمیں وضو، پاخانہ، پیشاب کرنیکا حکم تھا۔ اس بالٹی پر ڈھکنا بھی ہوتا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ لکڑی کا تھا جسمیں کوئی سوراخ نہ تھا کوٹھری میں پشت کی جانب سے ایک

روشندان بہت اونچائی سے تھا جس سے ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی۔ صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھری کھلی کو ہوا کھلانے کے لیے نکال لیتے تھے۔ اسی وقت بالٹی بھی میلا صاف کرنیوالے خدام لیجاتے اور صاف کر کے پھر رکھ جاتے اور کمرہ میں جھاڑو دیجاتے۔ ایک ایک صراحی ایک کمرہ میں جس کی قیمت ہم کو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی اور علی ہذا القیاس خادموں کی تنخواہ بھی جن کا کام کھانا لانا، پانی لانا، جھاڑو دینا، بالٹی صاف کرنا تھا ہمکو دینا پڑتا تھا۔ گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنہ یومیہ ہر اسیر کو ملتے تھے جنہیں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا۔ وہاں پر اسیروں نے حسب مذاق خود اپنے اپنے باورچیخانے (میز) بنا رکھے تھے جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا اونہوں نے اپنی شرکت میں ایک باورچیخانہ کھول رکھا تھا جسمیں باورچی ترکی کھانا پکانے والا کام کرتا تھا۔ انتظام سب اسیر کرتے تھے۔ ہر مہینہ میں سکرٹری منتخب کیا جاتا تھا اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور رکھواتا تھا۔ مگر اسی مقدار میں جتنا کہ گورمنٹ نے مقرر کر رکھا تھا۔ اسی طرح مصریوں کی میز (باورچیخانہ) علیحدہ تھی۔ اس کا باورچی مصری کھانے پکاتا تھا۔ جو بھائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے ان کی میز علیحدہ تھی۔ ہمارا کھانا ترکی میز سے آتا تھا۔ علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ چائے اور کبھی دودھ کیساتھ، انڈے، مسکہ، پنیر، مربا، جیلی، پاؤ روٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا۔ اگر سب ایکدم نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑے کیساتھ کبھی کچھ ہوتا تھا کبھی کچھ۔ البتہ اکثر نمکین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن مرغ۔ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت بھی ہوتا تھا۔ باقی ایام میں دنبہ کا گوشت ہوتا تھا۔ پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر ہوتا تھا۔ شام کا کھانا مختصر ہوتا تھا یعنی فقط ایک قسم کا سالن اکثر ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی اسکے ساتھ میٹھا بھی ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا۔ نمک پانی درست تھا۔ ان عربی کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا۔ جنہیں نہ نمک ہوتا ہے نہ مرچ۔ ہم میں سے اپنے حصہ کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تھا۔ کھانے کے وقت دروازہ کھولکر اندر داخل کر دیتے تھے ہمکو شمع جلانے کی اجازت تھی۔ اس لئے ہم اپنے پیسہ سے شمع اور دیاسلائی منگا لیتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے کے وقت جلا لیتے تھے ہمکو کسی سے باتیں کرنیکی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہمسے

ٹہلنے کی جگہ

جب کہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لئے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ حجروں کے

پیچھے ایک محفوظ جگہ تھی۔ وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اسکے دو طرف دیواریں تھیں ایک طرف ٹین کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ اور ایک طرف تار ونکی جالی تھی۔ اور اسی طرف سے دروازہ تھا۔ محافظ اس دروازہ کو کھول کر ہم کو ٹہلنے کے لئے داخل کر دیتا تھا اور قفل لگا دیتا تھا ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد ایک آدمی کو نکال کر اس کے کمرہ میں بند کر کے دوسرے کو ہوا کھانے کے لئے اس پنجرے میں بند کر دیتا تھا۔ یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ آسمان نظر آتا تھا چونکہ فروری کا زمانہ تھا اور مصر کی سردی تھی۔ اس لئے وہاں دھوپ کی خواہش بہت ہوتی تھی وہاں



دیواروں پر سپاہی پہرے دیتے تھے ان کو سخت تاکید تھی کہ کوئی شخص ان کمروں کے پاس نہ آنے پائے اور نہ دن میں نہ رات میں کوئی اُن سے گفتگو کر سکے۔ اس لئے کوئی شخص پاس نہ پھٹک سکتا تھا جس کا نقشہ تقریبًا یہ تھا۔ البتہ بعض احباب ہندوستانی کبھی کبھی رات کو آکر گفتگو کر جاتے تھے جن میں سے الہ آباد کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب جو کہ قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادی کے قریب بھی ہوتے ہیں۔ اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام جیلانی صاحب خاصکر قابلِ شکر یہ ہمدردی فرماتے رہے۔ حضوصًا صوفی صاحب نے بہت زیادہ ہمدردی کا قابلِ وقعت حصہ لیا۔ ممدوح ایک زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے تھے۔ اس لئے اُن کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور کاتب الحروف سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھری کے اندر بند کر دیا گیا۔ مگر ہم کو یہی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لیجا کر جملہ اسیروں کے ساتھ کسی بارگ میں چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ مولانا نے اپنی ضروریات قرآن شریف دلائل الخیرات تسبیح وغیرہ طلب فرمائی۔ ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور لوٹا وغیرہ بھیجدیا۔ ہمکو نہ معلوم تھا کہ مولانا کوٹھری میں بند ہیں مولانا کو قدرے پانوں کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔ مگر حتی الوسع خبر گیری رکھی گئی۔ مولانا مرحوم کو جب وہاں بند ہوگئے تو یہ خیال ہوگیا کہ مجکو سزائے پھانسی دی جائے گی۔ کیونکہ مشہور ہے کہ جسکے لئے پھانسی کا حکم ہوتا ہے اسی کو کال کوٹھری میں رکھا جاتا ہے۔ ادھر دوستوں اور دشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی خبروں کے پہونچانے میں کوئی کوتاہی کی ہی نہ تھی۔ جن باتوں کی نسبت خیال

تک بھی نہ تھا وہ تمام گورمنٹ کے کانوں تک پہنچائی گئی تھیں۔

مولانا کا فکر

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ انکے کلام سے معلوم ہوا۔ فقط ان کو دو فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقا بھی اذیت اور تکلیف میں پڑے۔ خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے۔ اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جس کے استغنا اور علو نے تمام اکابر کو ان کے درجہ کے موافق ہیبت میں کر رکھا ہے۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی اس کا راز ہے ؎

زد رہ دیں ہمہ پیران رہ را   جگر پاخستہ و دلہا کباب است

اس کا سر ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکے لئے فرمادیا گیا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ اور لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر یعنی عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دیکر تمکو راضی کردے گا اور تمہارے فتح مکہ کرنے کی شرت میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہے) ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کی نظر زمین کی طرف آسمان کی نسبت زیادہ رہتی تھی} اور اس قسم کی حدیثیں اس کے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جو جس قدر معرفت باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمت الٰہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے وہ کیسا ہی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت صاف اور خالص بنا کر پیش کرے مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اسکو اطمینان کہاں جبتک خاتمہ بالخیر اور سلامت عواقب پر مہر نہ ہو جاوے جبتک پریشانی ہی ہے چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان رکھتی تھی چھٹے یا ساتویں روز جبکہ ہم سب اس ہوا خوری کی جگہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنے احوال بیان کئے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سبب پوچھا کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا کثرت افکار اور استغراق باطنی کی بنا پر کھانا ویسا ہی واپس ہو جاتا تھا فقط چاء پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے (کیونکہ تنباکو کھانے کی بہت عادت تھی سوکھے پان مکہ معظمہ سے ہمنے بہت رکھ لئے تھے) ممکن ہے کہ کبھی ایک دو لقمہ روٹی کھالی ہو۔ مگر مجکو جہاں تک معلوم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ

قضائے حاجت فرمایا البتہ پیشاب برابر کرتے رہے انکو ہمیشہ سے غذا کی تقلیل میں بہت سرگرمی تھی۔ اسی وجہ سے قلت غذا اُن کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی اور اسی وجہ سے قضاء حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ بہت ہی کم خارج ہوتا تھا عموماً فضلہ انکا پیشاب کے ذریعہ سے بدن سے نکل جاتا تھا۔ اُنکی صحت کی نشانی کثرت ادرار بول تھا۔ اور جب کبھی اسمیں کمی ہوجاتی تھی جبھی بیمار ہو جاتے تھے بقیض انکو اکثر رہتا تھا فرمایا کہ مجکو برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے۔ اور پھر اس خیال نے کہ غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دیجائیگی اور بھی بیچین کر دیا تھا میرا کچھ نہیں تھا میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکا ہوں۔ مگر تم سب کی طرف سے بہت بُرا خیال تھا اور ہے کہ تم سب تو عمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستہ میں پیش آیا ہے واقع ہوا ہے پھر کیا فکر ہے۔ اُسوقت میں مولانا کی عجیب حالت تھی حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کبھی بھی آپکو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے مگر اُسوقت بے اختیار ہو گئے آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے یہی تو ڈر ہے۔ آدمی اپنی جان تک دیدے مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ یہ کہکر چپ ہو گئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے۔

مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھہ برتاؤ

مولانا مرحوم میں مروت کا مضمون نہایت زیادہ تھا اور اسی وجہ سے غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہی ہے مگر طبائع مختلف پیدا کی گئی ہیں۔ مولانا مرحوم میں جسقدر یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا مگر اسکے ساتھ ایک خاص ادا بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہو جب کبھی اپنے آدمی کا کسی اجنبی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے پاتے تھے تو اپنے خادم کو دباتے تھے اور ہمیشہ اجنبی کو چاہتے تھے اور جسقدر تعلق اپنے سے ہوتا تھا اُسی قدر اس کو دباتے بھی تھے اور یہی حالت بعینہ اپنی ذات کے ساتھ بھی تھی مگر کبھی تعلق اور حقیقی طور سے خیر خواہی اپنے جانثاروں کی بیحد فرماتے تھے جس شخص نے تھوڑا سا بھی کبھی احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تھی تو ہمیشہ اُسکا خیال رکھتے ہوئے اُسکے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضرہ میں موافقت کرتے ہوئے ہر طرح مستعدی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا اُن سے مولانا کو بہت ہی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم سبھوں نے عموماً اور کاتب الحروف نے خصوصاً نہ مولانا کے کمالات کو پہچانا اور نہ اُن کی خدمت کما حقہٗ ادا کی بلکہ حق صحبت کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کر سکے اپنی نالائقی و کم ظرفی سے ہمیشہ ایسی باتیں

بھی کرتے رہے جن کی وجہ سے مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں مگر ان کا حوصلہ اور ضبط اور علو ت صبح اور عفو نے انکو مجبور رکھا کہ ہماری نالایقیوں پر خیال بھی نہ فرمائیں بلکہ انہوں نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا۔ خداوند کریم عالم برزخ اور آخرت میں بھی اُن کی توجہ کو ہم نالایق غلاموں کی طرف مبذول کرا کر باعث نجات کرے۔ آمین ؎

قبر سے اُٹھ کے پکاروں جو رشید و محمود بوسہ دیں لب کو مرے مالک رضوان دونوں

مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر

یہی غلاموں کا فکر اُن کو قید تنہائی میں بھی بے چین کئے ہوئے تھا جسکا ایک ظاہر اور باہر اثر ہم پر یہ تھا کہ ہم بے شبہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجود یکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر گذرے نہ تھے، نو عمر تھے، اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جدا تھے، بالکل پردیس میں تھے، نہ کوئی مونس تھا نہ غمگسار نہ واقف نہ رازدار مگر کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب کوئی قلق، کوئی بے چینی نہ تھی بے وفا ہونا بجزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے یہ تو درکنار دل میں بھی ذرا سا گھبراہٹ نہ تھا نہ گھر کے اعزہ و اقارب کی یاد بے چین کرتی تھی حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب پھانسی کا تھا مولوی عزیر گل صاحب تو اپنی کوٹھری میں رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لئے ملتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جاوے اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف سخت نہ پیش آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھیں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ ماں کے گھر میں آرام کر رہے ہیں کبھی یہ واہمہ بھی نہیں گذرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام میں شریک نہ ہوتے فیشرِ الحمد و المنۃ۔ ہم کو بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان کوٹھریوں سے خاص الفت ہو گئی تھی جن سے جدائی پر ایک درجہ کا قلق ہوا تھا حضرات! یہ مولانا کی کرامت اور ان کا خاص تصرفِ روحانی تھا ورنہ کہاں ہم سب اور کہاں یہ استقلال۔

غرضکہ پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولانا کے اظہار لئے گئے۔ اور اسی دن وہ قید تنہائی یعنی کال کوٹھری میں جس کو اہل مصر (زنزنہ) کہتے ہیں بند کر دیئے گئے اور بروز جمعہ محکمۂ کاتب الحربیہ کی کچہری میں بلایا اور مجھ سے اظہارات لئے گئے۔ چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام ہوں میں نے زمین آسمان کے قلابے بہت کچھ ملائے میرا بیان دو دن تک وہ لکھتا رہا اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو پھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔

شریف کی بغاوت، مسئلہ خلافت کے متعلق، ٹرکی حکومت سے اسلامی علائق، وغیرہ کی نسبت سب کے بیان بحمد اللہ ایک ہی رہے کوئی بھی حق کہنے سے نہیں ٹلا البتہ جو دوسرے اتہامات یا افواہیں تھیں اُنکا مناسب جواب سب نے دیا۔ سب سے آخر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کے لئے تم کوئی مشورہ خیر دیتے ہو تو غالباً سبھوں نے کہا کہ ہاں شریف کی مدد نہ کیجائے اور سلطان سے لڑائی نہ کیجائے اسمیں گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا۔ آخر کار مجکو بھی ایک دوسری کوٹھری میں جو مولانا کی کوٹھری کے بعد تھی رکھا گیا۔ پھر وحید سے اظہار لیے گئے۔ اور پھر مولوی عزیر گل صاحب سے۔ اخیر میں حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ میں تمہاری نسبت کچھ ڈائری میں نہیں پاتا انہوں نے کہا کہ جناب میں تو حقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصاً مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہے کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اس وجہ سے اصحاب اغراض کو ان سے اور ان کے خدام سے مقاصد اور اغراض ہیں اسلیے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کیگئی ہیں۔ اور میں تو ایک سرکاری زمیندار آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مُبتلا رہا ہوں مجھ پر گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جنکو انہوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجکو تو بلا وجہ پکڑ لیا گیا ہے میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجکو مولانا کے احوال اور اُن کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے۔ میں بغرض حج و زیارت آیا تھا بعد از حج بہ نیتِ زیارت مدینہ منورہ مولانا کے پاس ٹھہر گیا شریف نے مجکو پکڑ کر بھیجدیا۔ شریف کی نسبت اور اسکی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اُسکے ناجائز تعلقات کی جدائی میں انہوں نے خوب تفصیلی بیان دیا مگر بالکل خیر خواہانہ طریقہ پر۔ وہ مقدمہ بازی اور قانون وغیرہ سے واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ آخر کار اُن کو بھی کوٹھری میں سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ مگر چونکہ کوٹھریاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اسلیے اُن کی چارپائی مولانا مرحوم کی کوٹھری میں رکھی گئی جس وقت وہ وہاں لائے گئے تو انہوں نے ہم سبھوں پر جو واقعات ہوئے تھے مولانا کو اجمالاً سُنائے۔ اور کہا کہ اور باقی رفقا بھی انہیں کوٹھریوں میں ہیں وضو وغیرہ میں اعانت بھی کی اسوقت مولانا مرحوم کے افکار میں کسی قدر کمی ہوئی۔ اُس روز انکے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چارپائی پر راحت فرمائی۔ کیونکہ ان چھ سات دنوں تک مولانا نے چارپائی پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چارپائی کے پائینتی زمین پر کمبل بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور قرآن اور دلائل الخیرات۔ تسبیح، مراقبہ، نماز وہیں کمبل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے۔ مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آگئی ہو آگئی ورنہ استراحت بالکل نہیں فرمایا۔ ہم میں سے کوئی نہ اُن کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ ہمکو دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کر سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ تمام مدت اسارت میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبھوں پر گذرے مگر سب سے زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی۔ اسکے بعد معاملہ رفتہ آسان

ہی ہوتا رہا۔ اس سختی میں سوائے مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی۔ مگر ناتجربہ کاری، خیالات،
ہجوم افکار، تفرد، پاخانہ پیشاب کا حبس، وغیرہ وغیرہ باعث تکلیف ہوا۔ کوئی ولی کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ
ہو جائے امور طبعیہ بشریہ سے منزہ نہیں ہو سکتا، ہندوستان کی آزادی، اسلام کی قوت، اور ترقی کی دھن
میں مولانا نے اپنی جسمی اولاد اور نسبی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا۔ مگر جو روحی اولاد
اس دھن اور اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ داد رفاقت دے رہے تھے اگرچہ وہ نالائق
تھی ان سے قطع نظر کرنا نہایت شاق تھا۔ ان سے علیحدگی ان کے نفس پر بہت ہی دشوار گذرتی تھی۔ بعینہ
ایسا حال ہو گیا تھا جیسا کہ ایک شفیق ماں جب تک اسکے بچے اسکے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال میں اور
کسی فعل میں ہوں اُسکو اطمینان رہتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھرستی کے افکار میں مشغول رہتی ہے مگر جب
ان سے جدائی ہو گئی اور وہ تنہا رہ گئی تو دنیا اس پر اندھیری ہو جاتی ہے۔ اس تفرد اور تنہائی نے مولانا کے قلب
پر بڑا اثر کیا تھا جب سبھوں کے بیانات ہو گئے تو ساتویں دن صبح کو ہم سبھوں کو ہوا خوری کیلئے ایک ہی گھنٹہ
میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اس جگہ میں جہاں روزانہ ٹہلتے تھے بند کیا گیا۔ اسوقت کی خوشی کو نہ پوچھئے۔

ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک خاص وجہ

چونکہ ہم سب ایک تو گرفتار، اور دوسرے ایسے وقائع سے بالکل ناتجربہ کار تھے، پھر یہ کہ ہمارے اذہان
یہاں تک پہنچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہے۔ چونکہ اسوقت تک بھی
گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اس فتوے (محضر) کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے
کہ گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہے مگر اس کو یہاں تک پرخاش اور بدظنی نہیں کہ ہمکو حجاز سے پکڑوا دے۔ اس
لئے ہم سبھوں نے آپس میں جو کچھ سوچ لیا تھا اور اتفاق رائے پاس کی تھی وہ یہی تھی کہ ہم سے شریف اور اس کے
افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اس میں بلا خوف اور بلا ہراس وہ حق جس کو ہم کل کو خداوند اکرم کے
سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کر دیں گے۔ باقی وہ امور جن کی نسبت ہم سے یہاں (مصر) میں اظہار کے
وقت پوچھا گیا۔ ان میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک علم تھا تو نہ اس قدر
جس قدر کہ گورنمنٹ کو پہونچایا گیا۔ اس لئے نہ تو ان امور کے متعلق آپس میں کبھی گفت و شنید کی نوبت آئی اور
نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی۔ اب اظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا تو کوئی بھی دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے
سکتا تا کہ سوچا جاتا۔ اس لئے اس وقت (اظہار کے وقت) جو جس کے سمجھ میں آیا جس قدر معلوم تھا کہدیا

گیا۔ اب سب کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم اِن امور کی نسبت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہی اور دوسرے رفقاء نے کیا کہا ہے۔ مبادا بیان میں تخالف ہوا تو مشکل کا سامنا ہوگا خصوصاً وحید بالکل نو عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ اس لئے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کثرت افکار کی وجہ سے بیچاں تھا۔ جس روز ہم سبھوں کو ایک ہی دفعہ میں ہواخوری کی جگہ میں داخل کیا گیا سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی۔ اور ایک دوسرے کے بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل و کرم سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے سبھوں کے بیانات تقریباً متفق ہیں گویا کہ ایک مشورہ سے ہوئے ہیں۔ چھوٹوں میں بھی استقلال اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا بلکہ کچھ زیادہ۔ مولوی عزیز گل صاحب سے حدود کے واقعات، قبائل کے احوال، سید احمد صاحب شہید مرحوم و مغفور کے قافلہ کی خبریں، حاجی صاحب (حاجی عبدالغفور صاحب جلوو کے بڑے پیر ہیں) وہ اس زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل و عیال کو لیکر یاغستان میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں جاکر مشہور ہوا تھا کہ اونہوں نے جہاد قائم کیا ہی) مولوی سیف الرحمن صاحب، مولوی عبیداللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین و آسمان کی واہی تباہی باتیں پوچھیں جن کا نہ سر تھا نہ پیر۔ مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے ولایتی اکھڑپنے سے سب کا جواب دیا۔ اور بہت ہی متین جواب دیا۔

الغرض ہم سبھوں کو آپس کے بیانات معلوم کر کے اور یہ کہ کوئی تخالف نہیں ہوا بہت خوشی ہوئی۔ جو کچھ افکار تھے وہ اس روز عموماً دور ہوگئے۔ ہر ایک کو ایک درجہ اطمینان کا حاصل ہوگیا۔ ہم وہاں کے کماندار جیل سے اپنی ضروریات کے لئے نقد منگاتے تھے جس کو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے۔ اور حسب قول اکابر "و بلقمہ دہن سگ دوختن بہ" دل کھولکر مصارف کرتے تھے۔ اسلئے ہمارے ساتھ اُن دنوں اتنی رعایت ضرور ہونے لگی کہ ہمکو اس ہواخوری کے پنجرہ میں صبح سے داخل کر دیتے تھے اور شام کو چار بجے تک وہاں ہی چھوڑ دیتے تھے یا کبھی قضائے حاجت کیلئے پاس کے پائخانے میں جانے دیتے تھے۔ چاء وغیرہ اور کھانا صبح کا وہیں اکٹھا لاکر دیدیتے تھے جس کو ہم عموماً مجتمعاً کھاتے تھے۔ جو لوگ جیل کے خواہ منتظمہ جماعت ہو یا اسیر وغیرہ سب اِن معاملات کو دیکھکر یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ یہ سب ایک گھرانے کے لوگ ہیں اور اتفاق سے سبھوں کی عمریں ایسی متناسب واقع ہوئی تھیں کہ بلا شبہ سب کو ایک گھرانے کا ہر آدمی خیال کر سکتا تھا۔ پھر معاملہ اور اتحاد اور بھی مؤید تھا کسی بات میں اجنبی شخص تغایر نہیں سمجھ سکتا تھا اگرچہ ہم آپس میں لڑتے بھڑتے بھی رہتے تھے مگر مولانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر نہ ظاہر ہوتا تھا اور نہ آئندہ کو

باقی رہتا تھا۔ مدت اقامت جیزرہ میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف کئے۔ کچھ دنوں کے بعد ہم سبھوں کو
شہر میں لے گئے۔ اور ایک جگہ ہم سبھوں کا فوٹو لیا گیا۔ کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے
خصوصاً ایام جنگ میں اور پھر اسیروں کے لئے خاص طور سے اسکا اہتمام تھا۔ دوسرے دن ہم کو دوسرے محکمہ
میں لیگئے۔ جہاں پر ہماری تشخیصات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے۔ ہمکو
ان سب باتوں سے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ استقبال میں کیا ہونیوالا ہے۔ ہم یہ خواہش
کرتے تھے کہ ہمکو انہیں حجروں میں وہاں ہی رکھیں مگر دیگر اسیروں کیطرح جیل میں آزاد ہوں۔

مصر کی حالت

میں اس جگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کی حالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے ہوئے
وہاں کی سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں حق گوئی اور صداقت پر نظریں سخت
پڑرہی ہیں۔ مجکو خوف ہے کہ یہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمار نہ کیا جائے اور پھر ضبطی میں آکر مقصد اصلی فوت
کردے۔ اسلئے میں گہرے اور بڑے واقعات سے اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا جن صاحبوں کو ضرورت ہو
مصطفےٰ کامل اور فرید بیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں۔ مولوی عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے بھی
اپنے رسالہ ترکی اور یوروپ میں کچھ اس مسئلہ پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے۔ اور بحمداللہ اچھی روشنی ڈالی
ہے خداوند کریم انکو جزائے خیر دے۔ میں اس مقام پر فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے کہ مشرق کی آبادیاں
عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے مدتوں سے ذبح ہورہی ہیں اسی طرح مصر بھی ہے۔ ان
آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا، تجارتی یا صناعتی حیثیت سے اس کی اہمیت زیادہ ہوئی، سیاسی قیمت
اس میں کچھ زیادہ پائی گئی، وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بیدردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا
اس کے ہاتھ پیر ناک کان دل و دماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ یوروپ کو مثل
بادشاہان قدیم فقط ہوس ملک گیری ہی نہیں ہے اسکی طمع پہلے پادشاہوں سے صدہا گونہ زیادہ ہے وہ یہ بھی
چاہتا ہے کہ ملک لیوے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل وعقد اسکے ہاتھ میں ہو، وہ یہ
بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کرے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صناعتیں بھی غپ کرجائے وہ یہ بھی چاہتا
ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہوں یا علمی کمپنیاں سب اسی کے پاس ہوں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم
اور تہذیب اخلاق ہر ملک کا اسکے زیر نظر اور اس کی رائے اور اس کے مفید طریقہ پر ہو۔ خواہ ملک کے

مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اسی کے قبضہ میں ہو، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اسی کے زیر تحویل ہو۔ اُس کا مقصد یہ ہے کہ جملہ طرق خوشحالی اور جملہ شعبہائے ترقی اسی کے ہاتھ میں ہوں۔ دوسری اقوام فقط غلامی کے اُس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہ کر چوپائیوں کی طرح اس کی خدمت کر سکیں۔ بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گذشتہ زمانہ کی بادشاہتیں جن کی بھیانک تصویر ہمکو یورپین تاریخیں دکھاتی ہیں ان میں اس قدر اور یہ کمالات کہاں تھے، یہ تہذیب اور تمدن تو فطرت نے انصاف اور عدل کی دیویوں، گوری گوری یوروپین مورتوں کیلئے ازل سے رکھدئے تھے جن کے تقدس کا راگ تاریخ کے ملائکہ ترقی اور انسانیت کے آسمانوں پر قیامت تک گایا کریں گے یہ آتشیں آلات، یہ زہریلے ہتھیار، یہ ہلاکت کن کشتیاں، یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں، یہ قسم قسم کے جور و جفا کی کلیں، یہ دم دم کی گولیاں، فقط انسانی خدمتوں اور نوع بنی آدم کے راحت و آرام کے لئے کیا نہیں بنائی گئی ہیں۔ کیا انہیں سے تمام عالم کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے۔ پہلے لڑائیوں میں ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ مدتوں میں کہیں مقتول ہوتے تھے مگر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں ملاین اور کروڑوں تک کی نوبتیں آجاتی ہیں۔ اور فیصلہ نہیں ہوتا، پہلے زمانہ میں خرچۂ جنگ سیکڑوں اور ہزاروں کی حدود میں محدود رہتا تھا۔ اب ترقی خواہ انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کا خرچ دکھلایا جاتا ہے۔ کہاں تک اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور ان انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کرکے آپ کے دماغ اور دل کو پریشان کروں۔ اس کے لئے دفاتر کی ضرورت ہے مقصد سے میں بہت دور جا پڑوں گا اس لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

جناب عالی مصر ایک زرخیز ملک ہے۔ دریائے نیل، وسط افریقہ اور سوڈان کے چشموں، اور خوش ذائقہ جھیلوں، اور فلک نما پہاڑوں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اگرچہ رقبہ اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہے مگر اپنی قابلیت اور جغرافی اہمیت کی وجہ سے حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایہ اعتبار رکھتا ہے۔ اس کے شمالی کنارہ کو بحر ابیض (بحر متوسط یا بحیرۂ روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور مشرقی کنارہ کو بحر احمر (بحر قلزم)۔ اس وجہ سے یوروپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیا کے مغربی حصوں

سے اُس کا خاص تعلق ہوگیا ہے جس کی بنا پر بحری آلاتِ سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اس کا اتصال ہے ادھر افریقہ کے مغربی اور شمالی اور اسی طرح جنوبی حصہ سے اس کا تعلق خشکی سے ہے سوریہ اور عرب سے بھی بذریعہ خاکنائے سویز اس کا اتصال ہے ان وجوہ سے اُس کے جغرافی اور طبعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی ہے پھر جب سے آبنائے سویز (قنال) نکل آئی ہے جس کے ذریعہ سے یوروپ کو ہندوستان، فارس، جزائر جاوا، چین، جاپان، آسٹریلیا، مشرقی افریقہ وغیرہ، سے ہر قسم کے دریائی مختصر اور مُفید راستے ہاتھ آگئے ہیں اُس کی اہمیت یوروپین نظروں میں بہ نسبت پہلے کے صدہا گونہ زیادہ ہوگئی اگرچہ یہ قنال مصر نے اپنے مفاد کے لئے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اُس کی ہلاکی اور بربادی کا ہوا حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہے۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس قنال کی اجازت مانگی تھی۔ تو آپ نے اس کے بُرے عواقب بیان فرما کر اس سے روک دیا تھا۔ آخر کار وہی دیکھنا پڑا۔ ان کے الفاظ صریح کا ترجمہ یہ ہے کہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ ورنہ تمہاری عورتوں کو افرنج خانہ کعبہ کے سامنے سے پکڑے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان عورتیں۔ لڑکیاں بچے خاص مکہ معظمہ اور بیت الحرم کے اردگرد سے پکڑی گیئں اور کفار اسیر کرکے اُن کو لے گئے۔ اگرچہ اونہوں نے شریف اور اس کے لوگوں کے واسطے سے پکڑا اور پھر جدہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا۔ مگر ہمیشہ کاتب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے جو کہ واقع میں فعل کاتب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل سے بادشاہان مصر "محمد علی پاشا" "ابراہیم پاشا" "اسمٰعیل پاشا" وغیرہ نے بہت سی نہریں نکال کر اطراف وجوانب کے اُن زمینوں کو سیراب کیا ہے جہاں پانی نہیں پہونچتا تھا پھر اوپر کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنوائے ہیں جو کہ بارش کے سیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اُترا ہوا ہوتا ہے اُن تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے سے آبپاشی کیجاتی ہے ہر قسم کے غلہ جات، ترکاریاں، میوہ جات، وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں مگر غلہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہے۔ آدمی بھی جفاکش اور قوی ہوتے ہیں۔

محمد علی پاشا اور اس کی اولاد نے مصر کی ترقی کی نسبت بہت زیادہ ہمت اور کوشش سے کام لیا مگر

یورپ میں فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا۔ اس نے ہمیشہ ایسے چکر دیئے کہ انسانیت اور تمدن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا۔ اس کا طباری اور قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پر نہایت عدالت اور غایت انصاف اور کمال انسانیت کی وجہ سے بتامہ برلیطانی امیر البحر نے ڈبویا اُس کی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبد المجید سے صلح کرانے کی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا اُس کا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جس کو مصری اور غیر مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جب کہ وہ آزادی کے لئے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا اُس سے جدا کر کے خالص برطانی قرار دیدیا گیا۔ اراکین پاشا اور رعایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھڑکایا گیا۔ اور آپس میں مصالحت ونیز محافظت تختِ خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتے۔ مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منتظم دکھلایا گیا ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار برطانی رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔ ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار برطانی رکھا گیا جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مصری مسلمان افسر فقط صورت کا بت اور کاٹ کا اُلّو رہ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۵/۱۶ مسلمان اور ۱/۱۶ قبطی عیسائی ہیں۔ اسلئے یہاں پر مختلف پالیسیوں کی ضرورت خیال کی گئی۔ عموماً محکموں میں عیسائی داخل کئے گئے۔ قبطی یا یونانی۔ اٹالین، فرنچ وغیرہ وغیرہ زور دے دے کر ٹھونسے گئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محکمے ایسے ہو گئے جن میں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا۔ پھر عیسائیوں کو اشتعال دی گئی کہ وہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جن کی وجہ سے وہ خود خارج ہو جائیں اور اگر نہ ہوں تو اُن پر جھوٹے سچے الزامات ایسے قائم کئے جائیں جن کی بنا پر ان کو علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ جیلخانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹبل تک عیسائی اٹالوی تھے جن کی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں۔ ہتھیار تمام سکانِ مصر سے چھین لئے گئے۔ اور ان کا رکھنا جرم قرار دیدیا گیا۔ لیسنس کے بغیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے تمام سکانِ مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہو گئے۔ جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلوا کر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کر کے اُن کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جس کی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت تا دس

نیز کارخانوں وغیرہ کا یوروپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہے۔
مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنے کی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی۔ ان میں بد دینی
مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متمول لوگ بہت جلد آزاد خیال ہو
گئے مگر ساتھ ہی اُس کے اس طبقہ میں قومیت کا خیال یوروپ کی بدقسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا۔ اصحاب
ثروت لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈال کر ان کو قومی اونکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی نہیں گیا
بلکہ ان کو حزب وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے ان کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی
گئی۔ اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپرٹ نہایت زور سے بکھیری گئی۔ عام کاشتکاروں سے ایسی
پالیسی اختیار کی گئی جس کی وجہ سے ان کو خاندان خدیوی اور مصری حکام سے سخت نفرت ہو گئی۔ اور اسی کی
اب تک کوشش کی جا رہی ہے۔ عام اہل شہر پر مصری چھوٹے حکام کے ذریعہ سے تشددات بیجا ہر معاملہ
میں کرائے گئے۔ پھر اگر شکایت برٹش افسر تک پہونچ گئی تو ان پر مراحم خسروانہ برسائے گئے۔ مصری حکام
کو تنبیہ کی گئی جس کی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانی حکام نہایت رحیم و عادل ہیں۔ جو کچھ مظالم ہم پر
آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آ رہی ہیں۔ وہ سب مصری حکام کی جانب سے ہیں۔ اسی کے قریب
ہندوستان میں بھی عمل میں آ رہا ہے۔ پنجاب وغیرہ کے مظالم جدیدہ اور قدیمہ اس کے شاہد ہیں چنانچہ
مجھ سے بھی اظہار کے وقت ایک مقام پر مسٹر ملک وغیرہ کے مذاکرہ میں جیرہ میں مستنطق نے کہا کہ ہندوستانی
ہم کو پلیگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے تشددات اور مظالم کئے تھے یا کہ ہندوستانی حکام کرتے
تھے، تعجب ہے کہ ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حکام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی
غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں۔ بلا اشارہ انگریز حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے۔ ان کا
تو دین، ایمان، دنیا اور آخرت، انگریزوں کی اطاعت نہیں نہیں بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ان کا
مذہب یہ نہیں ہے کہ خلافِ حکم نہ کیا جاوے ان کا مذہب تو یہ ہے کہ انگریز کے خلاف منشا کرنا سخت جرم اور
اور کبیرہ گناہ بلکہ کفر ہے۔ خواہ دین جاوے یا رہے، خواہ خدا راضی ہو یا ناراض، خواہ قوم و وطن برباد ہو یا
آباد۔ انگریز نے ملک میں ہمیشہ ہر فیلڈ میں یہی رکھا ہے کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ مظالم کرائے
جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو۔ عام پر رعب جمے۔ قتل و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں۔
انہیں پر سدا الزام رہے۔ ہم پاک و امن پسند سے بنے ہوئے سب کے خون چوستے رہیں۔ اگر ہم تک شکایت

پہنچے تو ہم اس سے بتری اظہار کردیں۔ اسی لئے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کی گئی۔
علاوہ اس کے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلبگار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں ؎

بہ پنج بیضہ چو سلطاں ستم روادارد — زنند لشکریانش کباب مرغ بہ سیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہل وطن کی قوتوں کے ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں مصاریف اس قدر بڑھا دیئے گئے ہیں کہ آمدنی سے قرضہ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اس کا سود ہی سالانہ ادا ہونا مشکل اور دشوار ہو گیا ہے پھر اگر کبھی کچھ جمع ہو گیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خرید وا دی گئیں جن کی حفاظت ہی کرنا مصر کو دشوار رہا ہے ان سے نفع اٹھانا تو درکنار۔
اس کے علاوہ سیکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئی ہیں اور ڈالی جارہی ہیں۔ جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے۔ ؎

من حالِ دلِ زاہد با خلق نخواہم گفت — کہ ایں قصہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ

مصر کے مدت قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہمکو بعض کتابیں بھی لادی تھیں۔ جنکی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی۔ ہمارا اسباب وہاں رکھوا لگیا جو صاف کپڑے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے باقی سب بھپارے میں ڈس انفیکٹ) کیلئے بھیجے گئے۔ دوائیں سرمہ وغیرہ ضائع کردی گئیں۔ ایام قیام زنزانہ دکال کوٹھری میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے۔ کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا اپنے میلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض محتاج اسیروں سے دھلوا لیا۔

روانگی مالٹا

۱۵ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ماہ گذر جانے کے بعد معتقل دجیل ہا کے کمانڈر برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا کہ کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے ضروری سامان کرلو اور تیار ہو جاؤ ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور ان کو بھنوا کر جو کچھ چارہ وغیرہ کے اخراجات کا ہم پر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ڈیڑھ گنی کی تفاریق ساتھ رکھی۔ صبح کے وقت ۱۶ فروری مطابق ۲۴ ربیع الثانی کو ہم کو گوروں کی گارد کی حفاظت میں موٹر پر بٹھا کر مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پر پہونچا دیا گیا۔ اور اسی وقت تھرڈ کلاس میں گارد کی سنگینی حفاظت میں ہمکو اسکندریہ پہونچا دیا گیا۔ تقریباً ایک بجے اسی دن اسکندریہ پہونچے۔ اسی وقت

ہندسوٹر لایا گیا۔ اور اس میں بٹھا کر ہم کو اسٹیشن سے گودی پر پہنچا دیا گیا۔ جہاز پر سوار ہونے کا حکم ہوا
جہاز کے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جس کے دونوں طرف چار پائیاں لگی ہوئی تھیں اور اس پر
گدے اور کمبل پڑے ہوئے تھے اور بیچ میں لانبی میز بچھی ہوئی تھی اس میں داخل کر دیا گیا اس کمرہ کی باہر
کی کھڑکیاں جن سے ہوا اور روشنی آسکتی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیلوں سے مضبوط تختوں سے جڑ بھی دی گئی تھیں دروازہ
پر دو تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قائم کر دیا گیا۔ ہم نے جا کر پانچ چار پائیوں پر ایک طرف قبضہ کر لیا۔ اس کے
آخر میں ایک کمرہ ایسا بھی تھا جس میں پائخانہ اور غسلخانہ بھی تھا جس میں میٹھا پانی موجود تھا۔

ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد

تھوڑا ہی عرصہ ہمکو گذرا تھا کہ بہت سے ترکی فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے افسروں کو نیچے کے خاص
کمروں میں جو کہ سکنڈ یا فسٹ کے تھے رکھا گیا اور سپاہیوں کو جن کی تعداد تقریباً پندرہ سولہ تھی ہمارے کمرہ
میں داخل کر دیا گیا۔ چونکہ قواعد اسارت میں یہ ہے کہ جب کوئی فوجی افسر اسیر ہو تو اس کو اسکی حسب منشا
ایک خادم فوجی دیا جاتا ہے اسلیئے یہ سپاہی ان افسروں کے خدام تھے جو کہ سب مسلمان اور نیک مزاج تھے
اور عموماً ترکی سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں۔ یہ سب جب داخل ہوئے اور حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا تو
نہایت احترام سے پیش آئے۔ اونہوں نے ہماری چار پائیوں سے تعرض نہیں کیا بلکہ خود باقیماندہ چار پائیوں
پر قابض ہو گئے۔ چونکہ وہ عدد میں کم تھیں۔ اس لئے ایک ایک پر دو دو قابض ہوئے۔ یہ آپس میں کھیلتے
اور گاتے اور کشتی کرتے اور تالیاں وغیرہ بجاتے تھے جس کو دیکھنے کے لئے انگریزی گورے سپاہی جمع
ہو جاتے تھے۔ اُن کو دیکھ کر یہ سب اور زیادہ گاتے اور کودتے تھے۔ پھر بعد کو دو تین شخص حضرت مولانا
رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپکی بیحرمتی کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے گاتے اور کودتے
اور ناچتے ہیں۔ مگر کیا کریں دشمن دین کافر کے ہاتھ میں ہم اسیر ہو گئے ہیں اگر ہم باادب بیٹھیں تو یہ کافر
خوش ہونگے اور ہمکو رنجیدہ اور غمگین خیال کریں گے اس لئے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم رنجیدگی جتلانے کے
لئے ناچتے گاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کودو اور گاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔

جہاز میں کھانے کا انتظام

جب شام کا وقت قریب آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور کھانے
کا تذکرہ حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا۔ کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اس نے کہا کہ اگر تم ہمارا

کھانا پکا ہوا کھاؤ تو حاضر ہے۔ اونہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھکر جوابدیا کہ تمہارا گوشت
اور تمہارا پکا ہوا سالن ہم نہیں کھا سکتے تو اس نے کہا کہ اسی خیال سے ہمکو تمہارے لئے یہاں سے مالٹہ
تک کے لئے یہ جنس دیدی گئی ہے اسکو لیجاؤ اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مالٹہ تک تمکو اور کوئی چیز نہیں ملیگی
جہاز کا باورچی خانہ بتادیا کہ یہاں پکالیا کرو اور باورچی سے کہدیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں انکو مت
روکو چونکہ آٹے کے پکانے میں وقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں شرعی کوئی قباحت نہ تھی اسلئے اُس سے
کہا گیا کہ ہم تمہاری پکی ہوئی روٹی لے لینگے فقط سالن اور چاء وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اس پر راضی ہوگیا
اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح وشام دینے کا حکم کردیا۔ باقی جنس اُٹھا لائے جسمیں چنے کی دال، آلو، ارڈ
کی دال، گھی، مرچ، دھنیہ، ہلدی، چاء، گڑ، چاول وغیرہ تھی چونکہ ہمارے پاس تمام سامان پکانیکا موجود تھا
اور قدرے جنس بھی اپنی موجود تھی۔ اسلئے اپنی دیگچیوں میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید جا کر کھانا پکا لاتے تھے
اور ایک جگہ جمع ہو کر کھالیتے تھے وہ تمام جنس مالٹہ تک ہم ختم نہ کرسکے باقیماندہ جہاز ہی پر چھوڑ کر اتر گئے،

جہاز کی روانگی

اسی روز شام کو یعنی ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ ہجری کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اُس
کے آگے آگے ایک جنگی جہاز کروزر اُس کی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی کبھی داہنے اور بائیں بھی چکر لگاتا تھا۔
اُسپر بہت بڑا سین بورڈ لگا ہوا تھا جسمیں جلی قلم سے لکھا ہوا تھا کہ اس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں۔
سامان جنگ نہیں ہے، کیونکہ جرمنی سبمرینیں اُس زمانہ میں بحر سفید میں بھی آگبوٹوں کو غرق کررہی تھیں خود
اسکندریہ کے بندر پر چند دن پہلے ایک آگبوٹ غرق کرچکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں کو ایذا پہنچانا
انسانیت اور معاہدات دول کے خلاف تھا اسلئے اُن سے تعرض نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ پہلے تو تجارتی
جہازوں اور غیر جانبدار حکومتوں کے جہازوں سے بھی تعرض نہیں کرتی تھیں۔ فقط دول متحاربہ کے جنگی
جہازوں اور اُن جہازوں سے تعرض کرتی تھیں جن پر فوج یا سامان جنگ ہو۔ مگر جب برٹش نے اپنے جنگی جہازوں
اور فوجی سامانوں کو تجارتی آگبوٹوں میں لیجانا اور غیر جانبدار باوٹوں کے آڑمیں شکار کھیلنا شروع کردیا تو
اس نے اعلان کرکے سبھوں کو ڈبونا شروع کردیا تھا جس کی بنا پر اُس کو وحشی غیر متمدن بنایا جارہا تھا یہ
وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندر میں باامن وبلا خوف سفر نہیں کرسکتا تھا۔

جہاز میں موت کی ہر وقت تیاری

جب ہمارا جہاز شب کو اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہو گیا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہر ایک شخص کو
کاگ (جسکی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے) کی پیٹیاں دی گئیں۔ یہ پیٹیاں کاگ کی لکڑیوں کے ٹکڑے
سے جو کہ کپڑوں میں سلی اور جڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں۔ جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے
رہنے کی وجہ سے آدمی ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا۔ اور پھر جتنے آدمی اس آگبوٹ میں تھے
خواہ جہازراں یا فوجی یا اسیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیے گئے اور سب کو کشتیوں کے
نمبر اور جگہ بنا دی گئی (ہر جہاز پر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی
ہیں کہ اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کیلیے وہ کشتیاں کھول دیجائیں تاکہ اہمیں
بیٹھکر وہ کنارے اور خشکی تک جا سکیں) اور کہدیا گیا کہ جب سیٹی ہو ہر شخص ان پیٹیوں کو گلے میں فوراً ڈالکر
اپنی اپنی کشتی پر بلا تاخیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات کسی وقت ان پیٹیوں کو اپنے سے دور نکرو چنانچہ
انگریزی افسر وغیرہ انکو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتی کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی انکی یہی حالت
تھی۔ بکثرت خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے۔ اسکے لیے امتحان بار بار کیا گیا اور سیٹیاں
دی گئیں ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے خدام کو جو خاص تبرکات
اپنے اکابر کے تھے بانٹ دیے بایں وجہ کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون مرے اور کون بچے۔
اسلیے ہر ایک ایک تبرک اپنے پاس رکھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قطب العالم حاجی
امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا رشید احمد
صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن
اور بال دیے اور خود بھی اپنے پاس رکھا۔ کاتب الحروف کو بھی حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی
روئی کی وہ کمری عنایت فرمائی جو کہ بوقت وصال آپ کے جسم مبارک پر تھی۔ مالٹہ پہنچنے کے بعد جب سب
تبرکات واپس ہوئے اس کو میں نے واپس نہیں کیا بلکہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ
سے کہدیا کہ اسکو میں واپس نہ کروں گا۔ آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا اور بعضے اونی قیمتی لباس بھی دیدیے۔
کہ سردی کا زمانہ تھا کشتی میں اس سے قدرے تحفظ بھی ہو گا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کے لیے تیار رہے۔ لوگوں کو رات اور دن
ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سبمرین جہاز پر گولہ پھینکدے۔ بعضے مقامات تو بہت زیادہ

خطروں کے گذرے مگر باہمہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ پر کسی قسم کا گھبراہٹ اور اضطراب کا ظہور نہ تھا۔ ہم سبھوں کے قلوب پر بھی اُن کی برکت سے اطمینان تھا۔ اسی طرح سے چار دن برابر گذر گئے۔

ترکی افسر

ترکی افسر جو کہ فسٹ اور سیکنڈ میں تھے اور صبح کو ہواخوری کو آتے تھے اسوقت ہمارا بھی کمرہ کھول دیا جاتا تھا ہم بھی ہواخوری کو نکالے جاتے تھے۔ اُن لوگوں نے ہندوستانی اشخاص اسیر دیکھکر تعجب کیا چونکہ پہلے سے ان لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی۔ اسلیئے اونہوں نے ہمکو اور ہم نے اُن کو تفصیلی پتہ اور وجوہ کے ذکر کرنے کی تکلیف دی۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ افسر عموماً فوجی تھے بعض کرنیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لفٹنٹ کپتان وغیرہ جو کہ عراق۔ یمن۔ حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور اسکندریہ میں کمپ سیدی بشر میں اسیر رکھے گئے تھے۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہ رویہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے اُن کو ورغلاتی تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اس کیلئے دو طریقے خاص طور سے نکالے گئے تھے۔ اول تو عربوں کو توڑا گیا اور عرب افسروں کو کہا گیا کہ ہم تمہارے استقلال کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ شریف کو ہر قسم کی مدد پہنچا رہے ہیں۔ تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ وہاں تمکو تنخواہ ملیگی۔ اسارت سے آزادی ہوگی۔ اُس کے ساتھ ملکر لڑو اور ترکوں کو پسپا کر کے اپنے ملک کو آزاد کرادو۔ چنانچہ اس طریقے سے ہزاروں سپاہیوں اور افسروں کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان دسمبر پور وغیرہ) برہما، سیدی بشر، راس التین وغیرہ وغیرہ سے بہلا اور پھسلا کر کے لایا گیا اور شریف کی فوجوں میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی۔ عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع، کچھ اسارت سے خلاصی کے لالچ، کچھ ترکوں سے پھیلائی ہوئی عداوت، ان وجوہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفۂ اسلام کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتی تھی مگر اس کے لئے صورت یہ اختیار کی گئی تھی کہ شریف کے ہم خیال لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے ان کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر سمجھاتے اور توڑتے رہتے تھے علی ہذا القیاس افسروں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا۔ کیونکہ مصر میں جنگ کے پہلے سے ایک جماعت ترکوں کی ایسی موجود تھی جو کہ حکومت ٹرکی کے خلاف تھی یا اسوجہ سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ سے فراری تھی یا اسکو جلاوطن کر دیا گیا تھا یا وہ ائتلافی پارٹی کی تھی۔ اس جماعت کو برٹش افسروں نے اپنے مقاصد کے لئے آلہ بنایا کہ ترکی افسروں کو توڑنے اور بمقابلہ ترکی افواج ان لوگوں کو

بھیجتے تھے۔ حقیقت میں اس ناپاک فعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہنچایا۔ چونکہ یہ معاملہ پھیلانے بھگانے کا اسیروں کے کیمپوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا۔ اور انگریزی افسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے تھے تو ترکی اور بہت سے عرب افسر جن میں غیرت، حمیت، دیانت اسلام تھا اسکی سخت مخالفت کرتے تھے۔ اور جس شخص کو ادنیٰ درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اُس کو سمجھاتے بوجھاتے۔ اور اگر اس پر بھی نہ باز آتا تو سختی کرتے تھے جس کی وجہ سے برٹش کوششیں ناکام ہوتی تھیں۔ اسلئے ایسے لوگوں کو چن چن کر یکبارگی مالٹہ بھیجدیا گیا۔ تاکہ پھر اپنے جال پھیلانے کی پوری قوت ہاتھ آجائے۔ مالٹہ میں نہ ہر اسیر سیاسی بھیجا جاتا تھا نہ ہر اسیر فوجی بلکہ جن کو گورنمنٹ زیادہ خطرناک خیال کرتی تھی ان کو وہاں بھیجتی تھی۔ ان ترکی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سبھوں سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا۔ اور جب تک مالٹہ میں رہے بہت زیادہ الفت اور مودت سے ملتے رہے۔

وصول مالٹہ

جہاز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۲۱ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مالٹہ میں لنگر انداز ہوا۔ مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اُترنے کی فکر نہیں ہوئی۔ چار بجے کے بعد ہم اتارے گئے اول ترکی افسر اور سپاہی اُترے پھر ہمکو اُترنے کا حکم ہوا۔ ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم ان کے سامان اُتروا دو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اتار دیا اور پھر کنارے پہنچکر افسروں کو دوسرے راستہ سے موٹر پر ان کے جائے قیام یعنی وال فرسٹہ پر بھیجدیا گیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر جو اتارنے کے لئے آیا تھا اپنے ساتھ اِکے پر بٹھا کر لے گیا۔ باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے۔ ہمارا اسباب موٹر پر گیا۔ مولانا چونکہ ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے اس لئے اُن کو ہم سے پہلے ورڈیگیٹ کیمپ میں جہاں پر ہمارے قیام کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے داخل کر دیا گیا۔ راستہ میں اہل شہر اور اُن کے لڑکے عورتیں ہماری اسارت پر خوشیاں مناتے تھے۔ مذاق اُڑاتے تھے اور جھنڈے جھنڈیاں باندھے ہوئے تماشہ دیکھتے تھے۔ کیونکہ سب کے سب عیسائی تھے۔ اُن کو مسلمانوں کے اسیر ہونے کی نہایت زیادہ خوشی ہوتی تھی۔ اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے اگبوٹ کو روکا گیا۔ اور شام کے وقت ہم سب اتارے گئے۔ تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشہ دیکھنے کیلئے راستہ میں آجائیں جس سے اُن کے دلوں میں انگریزی حکومت کا دبدبہ اور مسلمانوں اور اُن کے متفق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو۔ مسلمانوں کی پوری طرح تذلیل ہو۔

مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوا تھا مگر کم۔ جب ایسی صورت ہوتی تھی تو مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آجاتا تھا۔ ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا   تماشے کو بھی تو لیکن نہ آیا

مالٹہ کی اسارت گاہ اور اس کی تفصیل

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم اسکی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں۔ اس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پر تکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں ملحوظ تھیں۔ ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی تا ایام جنگ میں جب کہ خوفناک اسیروں کے لئے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اس وقت میں اس قلعہ کو خالی کرالیا گیا۔ اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصے کرلئے گئے اور ہر ایک حصے کے لئے ضروریات مہیا کردی گئیں۔ نام اور سکان بھی تجویز کردیئے گئے۔ روگیٹ کمپ۔ سینٹ کلمیٹ یا جرمن کمپ۔ بلغار کیمپ۔ روم کیمپ۔ سینٹ کلمیٹ براکس یا عرب کیمپ۔ وردالہ براکس۔ ڈاک فرشہ۔ نیو وردالہ۔ روگیٹ کیمپ قلعہ کی خندق میں روانۂ قلعہ پر واقع تھا۔ اس میں اور عرب کیمپ میں مسلمان سویلین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے۔ گر سول (ملکی) اور ملٹیری (فوجی) افسروں کے لئے یہ دونوں کمپ نہیں تھے۔ روگیٹ کمپ میں رہنے کیلئے فقط خیمے تھے البتہ مطبخ (باورچیخانہ) غسلخانہ، پانی کا نل، وغیرہ ایک پختہ عمارت میں تھا جس پر سیڑھیوں کے ذریعہ سے جانا ہوتا تھا۔ پاخانے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے۔ سینٹ کلمیٹ یا جرمن کیمپ یہ بھی کھلا ہوا میدان تھا اسمیں عموماً خیمے نصب تھے۔ اسمیں جرمنی آسٹرین سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی افسر خود رغبت سے یہاں آنا چاہتا تھا تو اس کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ علاوہ جرمن اور آسٹرین کے دوسری قومیں بھی اسمیں تھیں لیکن غالب عنصر انہیں دونوں کا تھا جن میں جرمنی زیادہ تھے۔ افسر اور بڑے درجے کے سویلین کم تھے۔ بلغار کیمپ اور روم کیمپ اور جرمن کمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا۔ البتہ باورچیخانے پختہ بنے ہوئے تھے۔ پاخانوں پر ٹین پڑا ہوا تھا۔ پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کی جگہ بھی پختہ بنی ہوئی تھی۔ سینٹ کلمیٹ براکس یا عرب کیمپ یہ مسلمان سویلین اور فوجی معمولی لوگوں کے لئے مخصوص تھا یہ نیچائی میں واقع تھا۔ بہت سی سیڑھیاں اتر کر آنا ہوتا تھا۔ اس میں سب عمارتیں تھیں۔ دو چار خیموں

کی بھی جگہ تھی۔ اس کے متعلق سیر کے لئے ایک پہاڑ تھا جو کہ فضا کی جگہ تھی۔ اس کی عمارتیں اچھی تھیں مگر نیچائی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجہ کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے یہاں پر افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا۔ وروالہ برائس یہ دو منزلہ کمپ تھا۔ اس کی عمارت عمارت نہایت عمدہ اور پُر تکلف تھی۔ راحت کے سامان مہیا تھے۔ اس کا بڑا حصہ جو وسعت میں واقع تھا وہ افسروں اور بڑے بڑے سویلین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا۔ ہر کمرہ میں تین تین چار چار پائیاں تھیں اور اسکا اخیر کا حصہ معمولی فوجیوں اور سویلین لوگوں کے لئے تھا۔ اس کمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب کی خصوصیت نہ تھی۔ ڈاک فرشٹہ۔ حدود قلعہ سے باہر مگر متصل تھا۔ تین طبقہ دار عمارت تھی۔ اسکے کمرہ اور وروالہ کے کمروں سے بہت زیادہ آرام کے تھے۔ ہر کمرہ کے ساتھ باورچیخانہ، غسلخانہ، پانی کا نل، کمرہ کے گرم رکھنا حمام اور بیرون کمرہ مکلّف پاخانہ تھا۔ یہ بھی افسروں کے لئے مخصوص تھا۔ نیو وروالہ بھی مکلف اسی کے مثل تھا۔ مگر اس میں فقط دو طبقے تھے۔

کمپوں میں دوکانیں

ڈاک فرشٹہ۔ وروالہ برائس رسینٹ کلیمنٹ میں ایک ایک بڑی دوکان تھی جس کو حکم تھا کہ جملہ ضروریات شہر سے لا کر مہیا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان تھی جو کہ موسمی ترکاریاں اور میوے لانے کا ذمہ دار تھا یہ دوکانیں اول تو جرمن لوگوں نے شراکت سے کھولی تھیں اور شہر کے بعض تاجر اس کے ایجنٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب چیزیں بھیجتے تھے۔ ان دوکانوں کے لئے گورنمنٹ نے جو مکان ان اسیروں کو اندرون کمپ دیئے تھے اُن کا کرایہ لیتی تھی اور پھر نفع میں بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح سبزی فروش سے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورنمنٹ کا قاعدہ ہے۔ اسی وجہ سے چیزیں بہت گراں پڑتی تھیں کیونکہ شہر میں ایجنٹ کو بھی اپنی اپنی محنت اور کرایہ گاڑی وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا۔ پھر گورنمنٹ کو کرایہ مکان اور اُس کا حق دینا پڑتا تھا۔ پر جو دوکان میں کام کرنیوالے تھے اُن کی تنخواہیں دینی پڑتی تھیں۔ پھر جو اہل شرکت تھے انکو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ پھر اس میں یہ بھی تھا کہ ماہوار نفع میں سے فیصدی ایک مقدار نکال کر سب اسیروں پر تقسیم کی جاتی تھی۔ کیونکہ بہت سے ایسے اسیر تھے جنکے پاس کوئی آمدنی اُن کے وطن سے نہ تھی اور نہ انکے پاس نقد تھا۔ اُن کو سگرٹ چاء قہوہ وغیرہ کے لئے سخت ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے اُن کی اعانت کرنی ضروری ہوتی تھی۔ اسلئے بلا تمیز قومیت اور مذہب سب پر برابر وہ حصہ نفع میں سے تقسیم

کیاجاتا تھا جو کہ فی کس ۱۴ ہوار دو شلنگ یا اس سے کچھ زائد پڑتا تھا۔ مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ لوگوں کو نقد تبلا دیا جاتا تھا۔ اُس مقدار میں جو چیز چاہیں خرید لیں۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر گورنمنٹ کو اس قدر نفع بھی اسرار کا گوارا نہیں ہوا اُس نے اُس جرمنی کمپنی کو اعلان دیدیا کہ قنطین یعنی دُکان کو ہم فلاں تاریخ سے اپنے زیر تحویل کرلیں گے چنانچہ اُس روز سے پھر گورنمنٹی صیغہ بحریہ کی طرف سے مامور آئے اور جملہ اشیاء موجودہ قنطین سابق کو خرید کرکے اپنے قبضہ میں کرلیا اور پھر دو کانیں گورنمنٹی ہو گئیں۔ البتہ سنری کی دوکان پر گورنمنٹی قبضہ نہیں ہوا۔

آفس

ان کمپوں کے درمیان میں آفس تھا جسمیں کمانڈر اسرا ایک افسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں کرنیل تھا، رہتا تھا۔ اُسکے زیر اثر ایک ڈ میجر اور کپتان وغیرہ رہتے تھے جو کہ اسرا کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے چونکہ یہ سب اسرا جنگ تھے۔ اسلئے ان کی جملہ ضروریات فوجی محکمہ کے متعلق تھیں اس آفس میں مختلف صیغے کاتبوں سنسر وغیرہ کے بھی تھے روزانہ ایک افسر سینٹ کلیمٹ میں اور ایک روالدیں چند گھنٹہ کیلئے جاکر بیٹھتا اور اسرا کی ضروریات اور عرضیوں پر نظر ڈالتا تھا اور پھر اُس کے متعلق کمپوں میں گشت بھی لگاتا تھا۔ اگر کسی کو اُس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہو تو پہلے ایک دن عرضی پیش کرنا ہوتا تھا کہ مجکو آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگلے دن وہ بُلایا جاتا تھا اور اُس کی ضروریات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا۔

شفاخانہ

اس جملہ اسارت گاہ کے متعلق دو شفاخانے بھی تھے ایک معمولی شفاخانہ جو بڑے کیمپ یعنی سینٹ کلیمٹ میں واقع تھا جسمیں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آکر بیٹھتا تھا اور مریضوں کو آکر دیکھتا تھا۔ معمولی بیماروں کو دوا ویدیتا تھا۔ اور اگر مرض شدید ہوا یا بیمار کیلئے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی گئی تو جنرل ملٹری شفاخانہ میں بھیجدیتا تھا۔ جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا معمولی چال میں دس منٹ میں آدمی وہاں پہونچ جاتا تھا۔ اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے لئے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا جس کے اوپر کے کمرے ان کے لئے مخصوص تھے۔ اُن میں تمام ضروریات اور راحت کے سامان حسب قاعدہ طبی یورپین طریقہ پر موجود رہتی تھیں۔ اور سویلین لوگوں کے لئے نیچے بہت بڑی ہال بنی ہوئی تھی اسمیں سویل اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے۔ تقریباً چالیس آدمیوں کی چارپائیاں اُس میں بچھ سکتی تھیں

کمپوڈری اور دیگر خدمات ان دونوں جگہوں میں یوروپین میمیں نوبت بہ نوبت انجام دیتی تھیں بالائی
اور زائد کاروبار اور صفائی کے لئے دوسرے مرد اور عورتیں نوکر تھیں۔ مریضوں کی خبرگیری اور اُن
کی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

مریضوں کے ملنے کا قاعدہ

مریض کے ہسپتال میں جانے کے پندرہ دن بعد مریض کی خواہش پر جن احباب سے وہ ملنا چاہے
وہ جمعہ یا بارگوان کا نام لکھوا دے اُن لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دے دیجاتی تھی اور دوشنبہ کے
دن ۲ بجے اُن لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لیجاتے تھے محافظ فوجی ساتھ ساتھ ہوتے تھے آدھا
گھنٹہ مریضوں کے پاس بیٹھکر رخصت ہوجاتے تھے پھر اسی طرح ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دوشنبہ
کے دن ملاقات ہوسکتی تھی۔ یہ عام قانون تھا البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو
تو وہ علیحدہ بات تھی۔ مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری اشیا کے کیمپ سے منگانے کا بھی طریقہ بذریعہ
افسران ہسپتال وآفس تھا ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکہ دار کی دوکان تھی جہاں پر عموماً ضروریات
کی چیزیں جن کی ڈاکٹر کی طرف سے ممانعت نہ ہو مریض خرید سکتا تھا ہسپتال کے دروازہ اور اطراف
پر پہرہ فوجی رہتا تھا۔ مگر بہت سے لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بناکر وہاں رہنا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ
خوراک کا انتظام وہاں اچھا تھا۔ اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ کا بھی تھا۔ چونکہ اسیروں کے تخیلات
اور اوہام اُن کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں (اس جنگ عمومی کے زمانہ میں یہ حالت زیادہ
پیدا ہوگئی تھی) اس لئے عموماً دماغی حالت ہر ایک شخص کی جادہ استقامت پر نہیں رہ سکتی دہ پھر
فوجیوں کو اپنے افکار نیز اپنی سلطنت اپنی قوم اور ملک کے مستقبل کی بے چینی بحالت مغلوبیت
بہت ستاتی ہے۔ تاجروں کو ان کے تمام تجارتی مال کا مصادرہ ہوجانا جس قدر اُن کے دل و دماغ
کو ناکارہ کردے کم نہیں دوسرے ہر اسیر کو اپنی مدت اسارت معلوم نہیں۔ اسرائے جنگ قانوناً خواہ وہ
ملٹیری ہوں یا سویلین فقط مبادلہ پر نجات پاسکتے ہیں یا صلح پر اور یہ دونوں حالتیں غیر معین وقت
کی خواہاں ہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور دیگر وجوہ شخصیت وغیرہ سے دماغ پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضعیف
دماغ والا آدمی بسا اوقات مجنون ہوجاتا ہے متعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپکو

پھانسی دیدی بعض نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور پاگل تو بہت سے ہو گئے تھے۔ اسلئے پاگل خانہ کا بھی اسارتگاہ کیلئے ہونا ضروری تھا۔ بعض متعدی امراض کے مریضوں کے لئے مالٹہ میں ہسپتال خاص تھے جہاں پر مریض کو خاص طور سے پہنچاتے تھے اور اسمیں (جنرل ہسپتال میں) نہیں رکھتے تھے انفلوئنزا کے لئے بھی یہی معاملہ تھا۔ اسی طرح طیفس کے لئے علیحدہ ہسپتال تھا۔

کمپوں کا انتظام

ہر کمپ میں باتفاق سکان کمپ ایک افسر مقرر کیا جاتا تھا جس کو صدر کمیٹی یا کمیٹی کہتے تھے وہ کمپ کے تمام انتظام کا کفیل ہوتا تھا۔ افسران امن اس سے کمپ کے متعلق گفت وشنید کرتے تھے اور وہ اہل کمپ سے مراجعت کرتا تھا۔ یہ صدر حسب خواہش اہل کمپ ماہوار بدلتا بھی رہتا تھا۔ یہی شخص ہر ہفتہ میں اپنے کمپ کے اسرار کیلئے ارزاق (رسد) وصول کرتا اور کمپ میں اسرار کو حصہ رسد بانٹا کرتا تھا۔ یہی روزانہ روٹی گوشت ترکاری بھی وصول کر کے بانٹتا تھا۔ یہی اسرار سے خدمت کی ماہوار بھی وصول کرتا تھا کیونکہ ہر اسیر پر خواہ وہ فوجی ہو یا سویلین لازم تھا کہ اپنے کمپ کی روزانہ صفائی، پاخانہ کی روزانہ علاوہ نجاست اٹھانے کے صفائی، (کیونکہ فقط پاخانہ اٹھانے کے لئے تو ایک مالٹی حکومت کی طرف سے نوکر تھا۔ جو روزانہ آکر صبح کو اٹھاتا تھا مگر وہ دوسری صفائی کا ذمہ دار نہ تھا) اپنے کمپ کی رسد ہفتہ وار روٹی گوشت ترکاری کوئلہ وغیرہ وغیرہ روزانہ انجام دے۔ اسلئے اصحاب مقدرت کسی کو تنخواہ دے کر مقرر کرتے تھے اور جو اصحاب مقدرت نہ تھے وہ خود کام کرتے تھے مگر چونکہ کام کے لئے سب آدمیوں کی روزانہ ضرورت ہوتی تھی اسلئے باری مقرر کیجاتی تھی۔ صدر کمیٹی ان سب باتوں کا انتظام کرتا تھا۔ باورچیخانہ کا بھی انتظام اگر اہل کمپ چاہتے تھے تو اسی کے ذمہ ہوتا تھا۔ بڑے بڑے کمپوں میں مختلف باورچیخانے تھے بعض لوگ فقط انگریزی رسد پر اکتفا کرتے تھے اس کا کھانا نہایت گرا ہوا ہوتا تھا۔ اور بعض لوگ کچھ اپنے پاس سے بھی ماہوار یا وہ دیگر عمدہ اور مکلف کھانا پکواتے تھے۔ اسلئے مختلف میزیں تھیں بعض لوگ اپنا روزانہ اور ہفتہ وار سامان رسد لیکر علیحدہ علیحدہ پکاتے تھے۔ غرضکہ اس میں آزادی تھی۔

رسد کی اشیاء

خشک سیاہ چاء، ڈبہ کا دودھ، شکر سفید، مرگرین، پنیر، چانول، دال مسور، جیلی، نمک، موم بتی، یہ چیزیں ایک خاص وزن اور مقدار سے ہفتہ وار ملتی تھیں۔ اور روٹی، گوشت تازہ ترکاری، کوئلہ، روزانہ

ملتا تھا۔ صابون کپڑے دھونے کا ایک مہینہ میں ایک مرتبہ ملتا تھا۔ گوشت وہ ملتا تھا جو کہ وہاں مدتوں سے برف میں محفوظ چلا آتا تھا۔ چونکہ مالٹا جنگی حرکات کے لئے ایک مرکز ہے۔ اس لئے وہاں تمام فوجی ضروریات بہت بڑے پیمانہ پر ہمیشہ موجود رہتی ہیں وہاں پر گوشت کیلئے بھی سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا مکان ہندسی طریقہ پر بنا ہوا ہے جس میں برف کی سلوں میں گوشت ہزاروں من ہمیشہ دبا رہتا ہے۔ یہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اسٹریلیا نیوزیلینڈ وغیرہ سے لائے جاتے اور ذخیرہ کئے جاتے ہیں اور بوقت ضرورت صرف ہوتے ہیں۔ ہر ٹکڑے پر ڈاکٹری سارٹیفکٹ کا کاغذ لگا ہوتا تھا۔ جس سے جملہ کیفیات گوشت کی معلوم ہوتی تھیں۔ بعض بعض ٹکڑے سولہ سولہ اور سترہ سترہ برس کے نکلے۔ مگر ظاہری صورت میں کوئی فرق تازہ گوشت سے نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کھانے والوں سے سنا گیا کہ تازہ گوشت کی سی لذت نہیں ہوتی تھی۔

ان چیزوں کی انواع تو بیشک بہت سی تھیں مگر روزانہ علیحدہ علیحدہ کرکے دیجائیں تو کوئی شخص گذارا نہیں کرسکتا تھا۔ البتہ اکٹھا کرنے اور ہفتہ بھر کی ایک دفعہ لینے کی وجہ سے ایک مقدار ضرور معلوم ہوتی تھی روٹی بڑی اور ڈبل آتی تھی جس کا چوتھائی حصہ فی کس روزانہ دیا جاتا تھا کم خوراک والے آدمی اس پر بسر کرلیتے تھے مگر اچھے کھانے والے اس پر ہرگز بسر نہیں کرسکتے تھے اسی لئے دوکاندار کو روزانہ شہر سے بڑی مقدار ڈبل کی لانی پڑتی تھی اور اگر کبھی اس میں کمی ہوجاتی تھی یا نہیں آسکتی تھی تو کہرام مچ جاتا تھا۔ ہمنے سنا تھا اور کچھ دیکھا بھی کہ پہلے پہل اسیروں کو نہایت فراخدلی سے رسد دیجاتی تھی جو کہ بڑے سے بڑے خوراک والے آدمی کو کافی ہوتا تھا۔ مگر جب جنگ نے طول کھینچا مصاریف جنگ بہت زیادہ بڑھ گئے۔ بحری راستہ نہایت خطرہ میں ہوگیا۔ اسیروں کی زیادتی ہوگئی تو پھر گورنمنٹ کو ہاتھ کھینچنا پڑا چنانچہ بعض ایام میں تو بہت ہی کمی کرنی پڑی جرمنوں میں ان جوان اور کثیر الاکل لوگوں نے جن کو کسی طرح یہ غذا کافی نہیں ہوتی تھی کتے ذبح کرکرکے کھائے اور کھالوں کو علی الاعلان لٹکایا اور ظاہر کیا کہ ہم نے یہ فعل قلت خوراک کی وجہ سے کیا۔

اسراء کو آپس میں ملنے کا طریق

روزانہ ہر کمپ میں صبح اور شام گنتی ہوتی تھی صبح کو تقریباً ۹½ بجے اور شام کو چار بجے۔ جتنے سویلین اور فوجی سپاہی تھے سب کو قطار باندھکر کھڑا ہونا ہوتا تھا۔ سارجنٹ یا کپلر آکر گنتا تھا اور پھر چلا جاتا تھا۔

صبح کو گنتی کے بعد جب کیمپوں میں خرید و فروخت کے لئے اور دوسرے احباب سے ملنے کے لئے کبھی تمام اہل کیمپ کو اور کبھی ایک معین مقدار کو اجازت ملتی تھی ہر کیمپ کا مستقین سارجنٹ یا کپلان کے ساتھ ان کو دروازہ تک جاتا تھا جن سے ان لوگوں کو گذرنا ہے کیونکہ ہر دروازے کا محافظ بغیر اسکے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا افسر اور نہایت معزز سویلین آدمیوں کی گنتی ان کے جائے قیام پر ہوتی تھی ان کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہو جائیں اور جبتک اس سے فراغت نہ ہو اپنی جگہ سے نہ ہلیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی گنتی اُن کے قیامگاہ میں ہوتی تھی۔ بڑے کیمپوں میں چونکہ تمام افراد کو دوسرے کیمپ کیلئے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص عدد مقرر تھا اسلئے ایک دن پہلے ان کو ضروری ہوتا تھا کہ اپنے ناموں کو اس کاغذ پر جو کیمپ کے صدر کمیٹی کے پاس ہوتا تھا یا اس کے انتظام سے روزانہ کہیں چسپاں کردیا جاتا تھا لکھدیں وہ بوقت اجازت روانگی سب کے نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا تھا اور ان کو کیمپ مقصود میں پہونچوا تا تھا۔

ڈاک کا انتظام

ہفتہ میں دو دن یعنی دوشنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھلا لفافہ دیا جاتا تھا جو کہ طول میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا اس طویل ورق پر ایک خاص قسم کا سپید مصالحہ چڑھا ہوا ہوتا تھا جسکی وجہ سے کوئی خفیہ کتابت اسپر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسمیں سطریں سیاہ پڑی ہوئی ہوتیں ان پر لکھنا ہوتا تھا دوشنبہ اور جمعرات کو گننے والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو لکھے ہوئے لفافے دیدیئے جاتے تھے اور سادے لفافے مل جاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو اس کو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً بکتے تھے تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا۔ ڈاکخانہ کی اُجرت ان لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جاتے تھے۔ اولاً یہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس میں جاتے تھے جس میں مختلف زبان بولنے کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے تھے۔ اگر کوئی بات خلاف سیاست پاتے تھے تو یا تو اسکو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو پھاڑ ڈالتے تھے۔ مگر چونکہ وہاں اردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا اسلئے ہمارے خطوط مصر یا بمبئی میں سنسر ہوتے تھے اور پھر آپس میں مبادلہ ہوتا تھا۔ وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمایندے اور افسر موجود رہتے تھے۔ اسراء کے جو خطوط آتے تھے اُن کے لئے کوئی مقدار معین نہ تھی وہ بھی کھلے ہوئے آتے تھے اُن کا بھی سنسر وہاں ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے بھی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اسکے بعد اس ڈاکخانہ میں یہ خطوط بھیجے جاتے تھے جس کو خود اہل کیمپ نے قائم کر رکھا تھا

۵ جو دول متحاربہ تھیں اُن کے خطوط کے لئے مشترک مرکز سوئزرلینڈ تھا جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے۔

بڑے کمپ میں جیساکہ انتظام صدر کمیٹی کا تھا ایسے ہی اہل کمپ کی طرف سے ڈاکخانہ کا انتظام تھا اہل کمپ اپنےمیں سے ایک یا زیادہ آدمیوں کو ماہوار انتخاب کرتے تھے جوکہ نوبت بنوبت اس کام کو انجام دیتا تھا۔ جتنے خطوط اسکے پاس آفس سے آتے تھے اُن کو وہ تقسیم کرتا تھا اس طرح پر کہ اصحاب خطوط کے نام لکھکر ایک پرچہ پر اشتہار کی اس جگہ میں جہاں خاص ڈاکخانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے مخصوص تختی پر چسپاں کردیا کرتا تھا وقت معین پر جن صاحبوں کے نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے۔ چھوٹے کمپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے ذریعہ سے وہاں بھجوادیتے تھے۔ یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیجدیتے تھے۔ ہر خط پر ہر اسیر کو اپنے نمبر لکھنے ضروری ہوتے تھے اُس نمبر اور کمپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہنچایا جاسکتا تھا چونکہ ہندوستان سے ہمارے ہی خطوط آتے تھے لہذا اہل آفس اُن سبھوں کو ہمارے پاس بھیجدیا کرتے تھے۔

اسرار کی تعداد اور نمبر

مجموعہ اسرار کا تقریباً تین ہزار تھا جن میں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جوکہ عموماً سویلین تھے اور مصر سوڈان وغیرہ سے پکڑ لائے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو مختلف افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے۔ انہیں میں آمڈن جہاز کے لوگ بھی تھے اور باقی ماندہ آسٹرین بلغاری ترکی مصری شامی وغیرہ تھے عموماً جو لوگ مشرقی محاذ سے پکڑے جاتے تھے وہ قبرص اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسوپوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برما ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے۔ مگر ان لوگوں میں جنکو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا اُن کو مالٹا میں بھیجا گیا تھا۔ چناق قلعہ (درہ دانیال) سے بھی لوگ یہاں پر لائے گئے تھے۔ ان کو جب داخل کیا جاتا تھا تو اُن کو نمبر تبلادیا جاتا تھا۔ اور ایک کاغذ اُن کے نمبر کا دیدیا جاتا تھا۔ تاکہ بوقت ضرورت تمیز ہوسکے چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا۔ اور ہمارے نمبر حسب ذیل تھے۔ مولوی عزیر گل صاحب ۲۲۱۵ - حکیم نصرت حسین صاحب ۲۲۱۶ - حسین احمد ۲۲۱۷ - وحید احمد ۲۲۱۸ - حضرت مولانا مرحوم ۲۲۱۹ -

اسرار کی تفریح

ان جملہ اسرار کو خواہ وہ سویلین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسارت گاہ سے باہر جانیکی کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیساکہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں آپسمیں دو گھنٹہ کی مقدار دس بجے سے بارہ بجے تک مل سکتے تھے۔ ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دو بجے سے چار بجے تک دی جاتی تھی جن کو کوئی تحریر آفس سے دیدی جاتی تھی۔ یا اس کمپ کے سارجنٹ سے کہدیا جاتا تھا کہ ہفتہ میں دو دن

یا چار دن یا پورے ہفتہ بھر اس کو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کمپ میں لیجایا کرو۔ چنانچہ ہم لوگوں کو بھی
اخیر میں ہفتہ میں تین دن کی اجازت اس طرح پر مل گئی تھی۔ علاوہ اسکے تفریح کے لئے بھی روز ایک مقدار
اسیروں کی جایا کرتی تھی جس کی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی۔ سویلین اور سپاہیوں کو
سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا یعنی دونوں طرف حفاظت کے لئے سپاہی کھلی ہوئی سنگینیں و
بندوق لئے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے اسیر لوگ اسی طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لیجاتے
اور پھر واپس لاتے تھے کہیں کہیں دس پندرہ منٹ راحت کیلئے دیتے تھے مگر عموماً شہر میں نہیں لیجاتے تھے
بلکہ بیرون شہر جنگل کی طرف۔ جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار ساڑھے چار بجے دن تک اور
گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی تھی مگر گرمیوں میں سمندر پر لیجاتے
تھے اور وہاں پر دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا نہاتے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ یا بیس منٹ وہاں
ٹھیرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا وہ کنارے
پر بیٹھے رہتے تھے سپاہی چاروں طرف حفاظت کیلئے کھڑے رہتے تھے۔ دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جس
پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور میں کھڑی رہتی تھیں اور اُن میں سپاہی معہ آلاتِ جنگ موجود
رہتے تھے افسروں کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے بلکہ
اُن کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریوالور لئے ہوئے ساتھ رہتا تھا۔ اُن کے لئے گھوڑے گاڑیاں لائی
جاتی تھیں جن کا کرایہ خود اسیر افسروں کو اپنی تنخواہ میں سے دینا ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی افسر اپنے پیروں چلنا
چاہتا تھا تو اُس کو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی سارجنٹ یا کپلیر ریوالور لئے ہوئے جاتا
تھا۔ عام اسرار اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو اُن کے لئے بھی سواری منگا دی جاتی تھی۔ بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے
پاس سے ادا کریں۔ اسلئے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگا لیتے تھے وہ گاڑی اُسی قطار فوج میں ساتھ ساتھ
چلتی تھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ اسرار پر فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لے گئے تھے
عموماً مولوی عزیر گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی۔

اسرار کے لئے اخبار اور تار

اسرار کے لئے اخباروں میں سے فقط ٹائمز لندن اور ملتان ہیرس اور ایتالیہ کے ایک اخبار کی اجازت
تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الاہرام اور المقطم کی اجازت تھی۔ دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے۔

ریوٹر کا تار بھی روزانہ آتا تھا جن لوگوں کو اس تار کی یا کسی اخبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آفس میں عرضی دیتے تھے۔ آفس اُن کی ایجنسیوں سے گفتگو کرکے مقرر کرا دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا۔ ان اخباروں اور تاروں میں جو جو خبریں ہوتی تھیں وہ اسی وقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں ہر ہر قوم نے اس کا ایک خاص آپس میں انتظام کر رکھا تھا۔ چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کرکے ایک خاص تختی پر سینٹ کلیمنٹ کمپ اور رہروالہ بر اکس میں چسپاں کر دیتے تھے۔ اہل مصر نے بھی اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ عربی میں اور ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ بسا اوقات ترکی افسر دونوں کے منتظم ہوتے تھے۔ جرمن اور آسٹرین لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کرکے لگاتے تھے۔

ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی

جو اسیر ارعیسائی مذہب کے تھے اُن کی ضروریات کے لئے صلیب احمر سے خاص خبر گیری ہوتی تھی اُن کیلئے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ اُن کے ملکوں سے برابر آتے تھے جو کہ اُن میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ استنبول سے بھی مسلمان اسرار کے لئے ہلال احمر نے بارہا اشرفیاں اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جس کے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک، تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبر گیری کی گئی اور اخیر تک جاری رہی اور بوقت اپسی اوطان اُن کو تھوڑی تھوڑی مقدار نقد کی بھی دی گئی اس تقسیم میں ترکی افسر کسی ملک کی خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب کو علی حسب المرتبہ والحاجت دیتے تھے ہمکو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سبھوں نے کہا کہ ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولت علیہ اور خلافت سنیہ کو مدد دے سکیں تو کیا ہم کو کسی طرح مناسب ہے کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ضرورت کیموافق گورنمنٹ سے نقد بھی ملتا ہے اور کچھ ہمارے پاس بھی ہے بلکہ جبتک یہ مقدار ہلال احمر سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنیل اشرف بیگ نے چندہ سے اس کا انتظام کیا تھا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصف پونڈ ماہوار اُس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جب وہ مقدار نقد کی ہلال احمر سے آگئی تو کرنیل موصوف نے مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں۔ استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمر کا آفس اپنا رکھتا تھا اور اپنی تمام انجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام عثمانی ممالک میں موجود تھیں اس کا پورا انتظام قائم رکھتا تھا۔

کمپوں میں اپنے اپنے لکڑی کے مکانات

کیمپوں میں خیمے تو سرکاری تھے۔ مگر ہر خیمہ میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو خیال رہتا تھا کہ اگر اُس کو ضرورت ہو تو تیسرا آدمی اس میں رکھے اس لئے علیحدہ مستقل طور سے رہنے کی غرض سے افتادہ جگہ میں کیمپ ہی کے اندر بعض بعض اسرار لکڑی کے گھر بنا لیتے تھے چیڑ کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے منگا کر اُن کو بطور ستونوں کے بنا کر اُن پر ٹاٹ جڑتے تھے اور ٹاٹ پر چونہ پھیر کر ایک خوبصورت کمرہ ہو جاتا تھا جرمنی اور آسٹرین ترکی وغیرہ سفر مینا کے سپاہی یا سویلین کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کھڑی کر دیتے تھے جس میں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے اُس پر کوئی زد دوسرے شخص کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ جن کیمپوں میں پتھر مٹی میسر ہو سکتی تھی۔ وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت مٹی یا پتھر سے بنائی تھی۔ بعض لوگوں نے یہی پیشہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھوں ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اس کو بیچ دیا ورنہ والہ کے بیرونی حصہ میں جس میں دن بھر پھرنے اور بیٹھنے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانیکی وجہ سے وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور بیٹھنے کی غرض سے اپنے اپنے مختصر کمرے بنا لئے تھے اور مختلف قسم کے پھول اور بیلیں اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقتاً ایک سیر کی جگہ ہو گئی تھی۔

اسرار کے علمی اشغال

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی۔ اس لئے ترقی پسند لوگوں کو اس کی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اس لئے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبان کے سیکھنے میں صرف کیا۔ اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنون کے موجود تھے۔ کتابیں ہر زبان کی یا تو وہیں مل جاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ جرمن اٹالیا یا فرانس وغیرہ سے آ سکتی تھیں اس لئے یہ اسارت گاہ ایک حیثیت سے ایک اچھا خاصہ دارالعلوم (یونیورسٹی) بن گیا تھا خصوصاً زبانوں کے لئے۔ ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنہوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو سیاسی امور اور اقوام کی تاریخی حالات اور خصوصاً ازمنہ حاضرہ کی سیاست کے لئے تو گویا یہ مقام ایک خالص کالج تھا۔ پھر جس قدر یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں۔ نہ سی آئی ڈی کا خوف ہے نہ کسی گورنمنٹ کی ناراضی کا خیال ہے۔ نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت مکدر کرنے والا ہے بلکہ

سب کے سب ایک خیال اور ایک درد اور ایک ہی دکھ والے تھے۔

اسارٰی کی باہم ہمدردی

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انگلش قوم کے دشمن تھے علانیہ انگریزوں کو برا کہتے تھے۔ اگر انگریزوں کی شکست اور ان پر یا اُن کے حلفاء پر کسی مصیبت کی خبر آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے۔ جھنڈے اڑاتے تھے شور و شغب مچاتے تھے اور اگر خدانخواستہ جرمن ٹرکی آسٹریا بلغار کسی کی کوئی بری خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غمگین نظر آتے تھے۔ اگرچہ اس تین ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا کوئی کیتھولک کوئی کالا تھا کوئی گورا کوئی مشرقی تھا کوئی مغربی، کوئی سویلین تھا کوئی فوجی، کوئی ایشیائی تھا کوئی افریقی، کوئی یوروپین تھا کوئی ٹرکی، مگر مصیبت نے سب میں ایسا رشتۂ اتحاد جوڑ دیا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جان نثار اور فدا نظر آتا تھا اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا۔ وہاں پر ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا، گویا کہ تفرق مذاہب واقوام واوطان عالم انسانیت سے بالکل اٹھ گیا ہے انسانیت کے رشتۂ اتحاد نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ بند کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے۔ اگر ایک شخص کو تکلیف پہونچتی تھی تو سب اُس کے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے عموماً ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت غصہ اور غضب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر اسیر کو نہایت عظمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ جرمنی آسٹرین وغیرہ کے مقتدر اور ذی وجاہت لوگ ملنے اور مبارکباد دینے کے لئے آتے اور گلدستہ وغیرہ پیش کرتے تھے۔ پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمنی کا بھتیجا تھا۔ اور ایمڈن جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمنی اسراء میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ عید میں مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا چند منٹ بیٹھتا اور چائے نوش کر کے چلا جاتا تھا۔ مولانا بھی دو چار دفعہ اُس کے بعد اُس کے یہاں نہایت مختصر طور پر تشریف لے گئے جب کبھی راستہ میں مولانا اس کو نظر پڑ جاتے تھے تو دور سے ٹوپی اتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا مولانا مرحوم کی صداقت، ان کی حقانیت۔ اُن کی للہیت، تقویٰ وطہارت، نے فقط احباب ہی کے دل پر

سکہ نہ جما پایا تھا بلکہ مخالف بھی اُن کی وقعت دل میں بہت زیادہ رکھتا تھا اور معاملہ عظمت ہی کا برتتا تھا
بڑے بڑے فوجی افسروں، جرنیل، اور کرنیل، میجر باوجود انگریز ہونے اور اس بات کے سمجھنے کے کہ مولانا
ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں۔ ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے۔ وہ ہندوستان
کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں۔ جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے
تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے۔ ٹوپی اُتار لیتے تھے اور بعض بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی اور للہیت ایک ایسی چیز ہے کہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے بنابریں موافق
اور مخالف دونوں وقعت کی نظر سے دیکھتے۔ اور دل میں مانتے ہیں۔ اور خود غرضی، نفس پرستی، بےحیائی
مذہبی و قومی، ایسی قبیح چیز ہے کہ مخالف تو در کنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے
دیکھتے ہیں۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

عام اسرار کی تجارت

عام اسرا میں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے جن میں سے بہت سے لوگوں نے قہوے خانے کھول
رکھے تھے اور اس کے ذریعہ سے اونہوں نے اچھی مقدار جمع کر لی تھی بعض لوگ مختلف چیزیں اسرا کی
خرید کردہ دوسرے اغنیار کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور اس طریقہ سے بعض چیزیں مالٹا سے منگا کر خرید و
فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے بعض اہل صناعت سگار بنا بنا کر فروخت کرتے غرضکہ طرح طرح
کے مشاغل لوگوں نے جاری کر رکھے تھے۔ جس کی بنا پر بہت سے لوگ مالدار ہو کر نکلے۔

اسرار کی صناعت

عموماً بہت سے لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک اچھی خاص مقدار جمع کر لیتے تھے۔ کیونکہ کپڑوں کے باہر جانیکا کوئی
انتظام نہ تھا گورنمنٹ سے صابون ملتا تھا۔ اسلئے بہت سے لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے۔ بہت سے جن کو کھانا
پکانا آتا تھا اچھی اچھی تنخواہوں پر باورچیخانوں میں نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ افسروں کی خدمت
کی نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ مختلف مصنوعات بنا کر روپیہ کماتے تھے۔
چھوٹے کمپ مختلف وجوہ سے بڑے کمپوں کے تابع شمار کئے جاتے تھے۔ روگیٹ کمپ ردالہ کے تابع تھا
عرب کمپ، روم کمپ، بلغار کمپ، سینٹ کلیمنٹ کے تابع تھا وال فرسٹہ مستقل تھا۔ تابع کی ضروریات اسکے
مرکز سے پوری کی جاتی تھیں۔ یہیں کا حاکم ایسے امور کا متکفل ہوتا تھا اور دورہ کرنے کو بھی وہی جاتا تھا۔

اسیران کے مقدمات

عموماً اسیران میں باوجود قید اور کثرت افکار و مصائب آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے تھے کیونکہ حسب غرض سابق آپس میں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کبھی کچھ ہوتا تھا تو عموماً اس قوم کے ذی رائے اور معتمد لوگ انگریزوں اور حکام تک جانے نہیں دیتے تھے اور اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنے جھگڑوں کو لیجائیں مگر اس پر بھی کبھی کبھی ایسے واقع ضرور پیش آتے ہیں کہ جن میں انگریزی حکام تک آپس کے جھگڑے پہونچے ہیں۔ لہٰذا اوقات اسیروں کے جھگڑے انگریزی محافظ فوجیوں کپلیروں اور سارجنٹوں سے پیش آئے ہیں۔ غرضکہ ہر دو قسم کے جھگڑے آفس میں پیش ہوتے تھے۔ اگر کوئی چھوٹا معاملہ ہوتا تھا تو خود کمانڈر یا اسکا نائب منفصل کر دیتا تھا۔ اور مجرم کو سزائے قید محض یا قید بامشقت دیتا تھا۔

قید خانہ اور اسارت گاہ

درواہ میں چند کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن میں تقریباً دو چار پائیاں پڑ سکتی تھیں۔ اُن میں قید کر دیا کرتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے۔ چارپائی سونے کے لئے نہیں ملتی تھی۔ فقط کمبل ملتا تھا اور رات کو قضائے حاجت بھی وہاں ہی بالٹی میں کرنا ہوتا تھا۔ دن کو البتہ بوقت ضرورت درواہ کے پاخانوں میں لیجاتے تھے سپاہی ساتھ جاتا تھا۔ دن کو علی الصباح دروازہ کھول کر قیدی سے درواہ کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لیجاتی تھی کھانا اسکے کمپ سے معہ چار وغیرہ کے دونوں وقت کپلیر لیجاتا تھا جسکو اس کے احباب بھیجتے تھے یا جس باورچیخانہ میں اسکا کھانا پکتا تھا وہاں لیجاتا تھا۔ یہ حالت ان مجرموں کی ہوتی تھی جن کی قید چودہ پندرہ دن کی ہوتی تھی اور جن پر حکم زیادہ کا ہوتا تھا ان کو شہر کے فوجی جیلخانہ میں لیجاتے تھے اور فوجی معاملات اُن سے کرتے تھے۔ فقط سول آدمیوں سے مشقت نہیں کراتے تھے۔

اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوتا تو اس کے لئے کورٹ مارشل ہوتا تھا جس میں وکلا اور فوجی حکام کا مجمع ہوتا تھا اور پھر مقدمہ فیصل کیا جاتا تھا۔

مولانا کا کمپ اسارت میں داخلہ

مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ اسٹیم پر سوار ہو کر آگے آگے چلے آئے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے۔ روگیٹ کمپ میں پہلے سے ہمارے آنے کی اُسی دن سے خبر ہو گئی تھی جس دن ہمارا آگبوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا۔ وہاں پر بذریعہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دی گئی تھی۔ آفس نے روگیٹ کمپ میں

انتظام کیا اور خبر بھی دیدی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں۔ الغرض دو خیمے وہاں ہمارے لئے نصب کئے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں اُن کے گدے کمبل وغیرہ جملہ ضروریات مہیا تھیں۔ چونکہ اس کمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری اور دوسرے مسٹر سیدار بنگالی ساکن چندر نگر وہاں موجود تھے مسٹر سیدار برہمن تھا فرانسیسی زبان عمدہ جانتا تھا۔ انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اردو بالکل نہیں جانتا تھا سنسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بم بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجودیکہ اُسپر کوئی ثبوت واقعی نہیں پہنچ سکا تھا۔ گورنمنٹ بنگال نے اُس کو مصر بھجوادیا اور پھر وہاں سے مالٹا روانہ کردیا گیا تھا اُسپر مصائب اسارت نے اتنا ضرور اثر کیا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہوگیا تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت سے مقیم تھے وہاں ان کے والد اور بھائی بھی آگئے تھے۔ یہاں انہوں نے اپنی شادی بھی کرلی تھی۔ ابتدائے جنگ میں انپر بھی ان کے دشمنوں نے کچھ خبریں اڑاکر گورنمنٹ کو بدظن کردیا۔ اُن کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیدگاہ جسمیں ہم بھی ایک ماہ رکھے گئے تھے اسمیں بھی گئے۔ وہاں پر مختلف وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہوگیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے ان سبھوں کو مالٹہ بھیجدیا گیا۔ اس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے۔

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو دو چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ ہیں اس لئے یہ خوش تھے مگر جب مولانا کو دیکھا تو ان کو معلوم ہوگیا کہ وہ خیال غلط تھا۔ مگر اُنہوں نے وطنی تعلق کی وجہ سے نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں لے گئے مولانا تقریباً مغرب کے قریب وگیٹ کمپ کے دروازہ پر پہنچے تھے اسی وقت اُن کو وہاں داخل کردیا گیا مولانا نے جاکر وضو کرکے نماز ادا کی اسنے میں ہم سب بھی پہنچ گئے۔ ہم نے بھی جاکر نماز پڑھی۔ کچھ مختصر سا سامان چار وغیرہ کا اُس وقت موجود تھا۔ اُس کو تمام کرکے سامان درست کیا۔ چارپائیوں وغیرہ کو لگایا اور پھر عشاء کے بعد سونے کی تیاری کردی۔ اس روز تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی۔ اور نہایت سرد و تند ہوائیں چل رہی تھیں جس نے اور بھی ہم کو مجبور کیا کہ نہایت جلد آمد و رفت بند کردیں۔ مگر اتفاق سے اس کمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے یا عرصہ سے رہتے ہوئے ترکی حکام تھے اور حج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے۔ اُنہوں نے جمع ہوکر مکہ معظمہ کے احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لے لیا۔ ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیز گل صاحب

اور کاتب الحروف کی چارپائی رکھی گئی۔ اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔
صبح کے وقت ہم سبھوں کو آفس میں بلایا گیا ہم کو خیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی اظہار شل مصر لیا جاویگا مگر وہاں معمولی طور سے پتہ وغیرہ پوچھا گیا۔ اور رجسٹروں میں درج کر لیا گیا۔ ہر ایک کو تولا بھی گیا اور وزن بھی درج کر لیا گیا۔ بعد ازاں ہم کو کیمپ میں واپس کر دیا گیا حسب قاعدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں۔ چونکہ گوشت قابل اعتبار نہ تھا۔ اس لئے ہم کو اس کے کھانے سے انکار ہوا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ نہ اس کو واپس لیتی تھی اور نہ اس کے بدلے میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی ادھر پہلے سے آئے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو برابر کھاتے تھے۔ اس لئے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

اس گوشت کے حلال نہ ہونے کی وجہ

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:- ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کو مت کھاؤ وہ حقیقت میں فسق ہو گیا شیاطین اپنے دوستوں کو سمجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانوں کے بارے میں جھگڑے اور بحث کریں۔ اگر تم ان کی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو) اس لئے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں اول تو شرعی ذبح ہونا دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الہی کا ذکر ہونا۔ اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات علیہ السلام حلال ہے جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے ذریعہ سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یکطرفہ یقینی نہیں ہے جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا ظن غالب نہ ہو جائے۔ جب تک اس کی حرمت یا کراہت کا فتوی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے۔ ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کتا جس کو اس نے تکبیر کہہ کے چھوڑا تھا پایا اور

ایک دوسرا کتا پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اُس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا
ہے یا نہیں تو حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام اُس کو حرام فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظیریں
موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروطِ ذبح کا جبتک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور
یہی مسلمہ فقہار کا ہے۔ یورپ کے سفر کرنے والے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور ایسی
تباہی حیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرما دیا
گیا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم (اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تم کو حلال ہے)۔ اسلئے
ہم کو اُن کے ذبح کئے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان
سے حلال نہیں ہو سکتی وہ اہل کتاب سے کیونکر حلال ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑدے
تو وہ کسی طرح حلال نہیں۔ پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیوں کر حلال ہو سکتا ہے بہر حال وہ مسلمان سے تو کم ہی
ہے اور اگر ظاہر الفاظ آیت پر جائیں تو چاہئے کہ سؤر بھی حلال ہو جائے کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور اُن کا
ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا کوئی دوسرا کھانا اُن کا حلال ہو (العیاذ باللہ) اور اگر ان چیزوں کے حرام
ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل
ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کے مباحث کا لوگوں سے وہاں بھی تذکرہ آیا جن لوگوں کے دلوں میں اسلام کا پاس
خدا کا خوف، اور آخرت کا خیال تھا، انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اور جن کے دلوں پر سیاہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری
بیحد تھی وہ نہ مانے۔ حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق اس وقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں یہ بھی
ایک مسئلہ قابل غور ہے۔ جس میں اکثر اہل تحقیق و تجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً نصاریٰ یورپ دہریے غیر کتابی
ہیں ہاں اُن کے پادری وغیرہ جن میں اعتقادات ملل سماویہ اور انبیاء و رسل کی حقانیت کا یقین، صفات الٰہی
اور معاد و قیامت کا اعتقاد واثق موجود ہے اُن کی نسبت یہ خیال درست ہو سکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی حیلہ تھا کہ ہم مضطر ہیں اور مضطر کے لئے قرآن میتہ (مردار) اور خنزیر وغیرہ سب کو
حلال بتا رہا ہے مگر یہ بھی اُن کی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یورپ کے سفر کرنے والے پیدا کیا کرتے
ہیں حقیقت یہ ہے کہ مضطر اس کو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لغت میں کہا جاتا ہے کہ جس کو بھوک
کا وہ درجہ پہنچ گیا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہو گیا ہو اور بھوک کی تکلیف دفع کرنے کے لئے کوئی حلال چیز
نہ ملتی ہو اس وقت میں مردار حلال ہے اور وہ بھی اسی قدر جتنی سے زندگانی محفوظ ہو جائے، پیٹ بھر کر نہیں۔ پھر

یہاں تو علاوہ گوشت کے سینکڑوں چیزیں حلال ہوتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے اس لئے یہ سب حجتیں شیطانی ہیں۔ بارگاہ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں۔

چونکہ یہ گوشت حسب قاعدہ شریعت میتہ (مردار) تھا اس لئے نہ ہم اس کو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان کو کھلا سکتے تھے اب اس میں فکر کرنا پڑا کہ آیا اس کی بیع و شرا بھی جائز ہے یا نہیں چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اُس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہوگی اُس کی قیمت بھی حرام ہوگی۔ اسلئے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اسیر کے لئے دار الحرب میں بیع باطل اور قمار وغیرہ کی سب کی اجازت دی گئی ہے اسیر کو کافروں سے جس طرح ہو سکے مال لینا جائز ہے اور وہ مال حلال ہے چنانچہ اُس وقت شرح کنز موجود تھیں اُن کی طرف رجوع کیا یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے مل گیا۔ اُس وقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بیچ دینا شروع کر دیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے۔ اُس کے پیسوں میں اپنے پاس سے کچھ نقد ملا کر اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکا کر کھلاتے تھے۔

کیمپ میں حلال گوشت کے طریقے

تمام اسیران کے قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوائے چڑیوں کے پالنا ممنوع تھا۔ ہاں کتے تو البتہ (چونکہ یورپ میں لوگوں کی جان اُن سے متعلق ہے) ماذون تھے اور علی ہذا القیاس بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں ذبح کرنا بھی ممنوع تھا جو لوگ تازہ گوشت حیوان کا چاہتے تھے وہ شہری کا ذبح کیا ہوا آ سکتا تھا جو لوگ مُرغی یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح کردہ شدہ پیٹ کی آلایش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا۔ اس لئے ہم کو کوئی طریقہ اس کے استعمال کا بھی نہیں ہو سکتا تھا ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی اعذار کو بیان کیا تو ہم کو بعد دشواریوں کے اس قدر اجازت ہو گئی کہ ہم زندہ مُرغ یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اُس کو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کریں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا لحاظ رکھیں چنانچہ ہم نے اس کی ذمہ داری کی اور اس کے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنے کی ابتدا ہوئی۔ کچھ دنوں تک یہ ہمارے ہی ساتھ مخصوص رہا پھر اس کے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی۔ مگر یہ چیزیں اس قدر گراں تھیں کہ الاماں۔ کبوتر فی عدد ۱۲ یا عہ روپے میں پڑتا تھا۔ مُرغی فی عدد ۵ یا ۶ ریلے میں پڑتی تھی۔ البتہ خرگوش سستے یا للعکس میں پڑتا تھا۔ گوشت

بھی اُس کا زیادہ ہوتا تھا اس لئے اُسی پر اعتماد کیا گیا۔
ہفتہ میں اول اول ایک یا دو مرتبہ اس کو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گذران کرتے تھے۔ ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے۔ اُس میں آلو یا دوسری ترکاری ڈالتے تھے۔ کبھی کبھی مچھلی منگاتے تھے مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی۔ تقریباً تین روپیہ سیر یا چار روپیہ سیر معمولی مچھلیاں آتی تھیں اس لئے ہمیشہ اُس کا بھی منگوانا دشوار ہوتا تھا۔

دال کے اقسام

دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی۔ مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہو گئی۔ گول مٹر سفید دلی ہوئی اور بے دلی ہمیشہ ملتی رہی۔ کبھی کبھی بے دلی مسور بھی مل جاتی تھی۔ مصری فول بھی ملتے تھے۔ دوسری دالیں وہاں نہیں ملتی تھیں۔ البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دھلی ہوئی اور بے دھلی اور بڑیاں وغیرہ آجاتی تھیں جن کو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھ کر بہت چاہ سے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں

ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں۔ البتہ گوبھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ بھنڈی جب بہت سستی ہوتی تھی تو ۳ درجن بغیر چھانٹے ہوئے ملتی تھی اسی طرح کدو طویل اور کدو سرخ، چقندر، پالک، فول کی پھلیاں، مٹر کی پھلیاں وغیرہ آتی تھیں۔ مگر نہایت گراں۔ روزانہ ہم کھانوں کے اقسام بدلتے رہتے تھے۔ تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی وجہ سے گھبراہٹ اور بد مزگی نہ پیدا ہو سالن صرف ہم ایک ہی پکاتے تھے۔

اسارت میں کھانے کا ہمارا طریقہ

روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے۔ چونکہ دیگر رفقاء کھانے کے پکانے سے ناواقف تھے علاوہ ازیں ان کو دیگر مشغولیتیں فرصت بھی نہ دیتی تھیں۔ پھر وہ مداومت بھی نہ کرسکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط ادائے خدمت کی غرض سے تھا۔ اس لئے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا جس کے لئے میں نے مالٹہ پہنچتے ہی اپنے آپ کو تیار کیا اور ہر کام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ جدہ میں یا مصر میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی۔ البتہ

حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی اعانت کرتے تھے۔ مالٹہ میں دوسرے
رفقا نے بسا اوقات معارضہ کیا اور کاروبار کے بعض دیا اکثر حصہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ بعضوں
نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ
لوگوں کو دخل نہ دینا چاہئے۔ ہاں جب کبھی اعانت ہوگی میں آپ لوگوں کو تکلیف دوں گا۔ روٹی عموماً دوپہر
کے وقت آتی تھی۔ اُس کا آدھا حصہ شام کے وقت صرف ہوتا تھا اور آدھا صبح کے وقت۔ چونکہ بہت بڑی
اور موٹی ہوتی تھی۔ اس لئے اُس کو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا۔ سالن جو کہ حسب عرض سابق عموماً ایک ہی
قسم کا ہوتا تھا۔ ایک بڑے برتن طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا تھا۔ اور دسترخوان کے بیچ میں وہ طشت یا
طباق رکھ دیا جاتا تھا۔ اور اُس کے اردگرد روٹیوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے رکھے ہوتے تھے۔ اور پھر ہم سب
جمع ہو کر کھاتے تھے۔ عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پانچ آدمی نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زائد
ہوتے تھے۔ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت سخاوت اور مہمانداری پر مجبول اور مفطور ہوئی تھی۔ اُن کو جس
قدر مہمانداری اور سخاوت میں لطف آتا تھا کسی حال میں نہ آتا تھا۔ اکیلے کھانا اُن کو سخت ناگوار ہوتا تھا
یہی حال ہمیشہ ان کا ہندوستان میں رہا کیا۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً جائداد اپنی
بیچ کر قرضہ ادا کرتے رہے۔ مدرسہ کی تنخواہ اور بیرونی آمدنی اُن کو کبھی کافی نہ ہوئی۔ مہمانداری کی وسعت
دیکھ کر عموماً اہل دُنیا اور اصحاب ثروت دنگ ہو جاتے تھے۔ مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔
علی الصباح اندرون خانہ جھاڑو دینا اور اپنے اپنے بستروں کا درست کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ کپتان یا سارجنٹ
روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا۔ اگر درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر آتا تھا اور
کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معائنہ کرتا تھا۔ اُس کے بعد چار بنائی ہوتی تھی۔ مولانا مرحوم کے لئے دو
انڈے نیم برشت کرکے پیش کئے جاتے تھے۔ اگرچہ اس میں اونہوں نے بارہا سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا
کئے مگر خدام کسی طرح اس کے ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضعیف العمری کا زمانہ
تھا نیز حسب عادت اور طبیعت میسر نہ ہوتی تھی۔ اس لئے تقویت کے لئے اس کا انتظام ضروری خیال
کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اس کا انتظام تھا۔ اُس کے بعد سب ملکر کچھ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ چار
پیتے تھے۔ اس کے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹہ میں تیار ہو جاتا تھا۔ اور عموماً عصر اور مغرب کے
درمیان میں اُس سے بھی فارغ ہو جاتے تھے۔ ہمیشہ دونوں کھانوں کے بعد سادی چار پی جاتی تھی۔

اس لئے روزانہ تین دفعہ چار لازمی طور سے پکتی تھی۔ اور اگر کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی شام کا کھانا ایک عرصہ تک اصرار کرکے ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکاتے رہے اور پھر میں نے اس کا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کبھی کبھی مولوی عزیز گل صاحب یا وحید بھی انتظام کر لیتے تھے۔

روگیٹ کمپ کا قیام

روگیٹ کمپ میں قیام تقریباً ایک ماہ کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور اُنس بھی ہو گیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی وجہ اس کی یہ تھی کہ اگرچہ وہ زمانہ فروری کے آخر کا تھا۔ مگر مالٹا نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے۔ اگرچہ شمالی یوروپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں۔ اس کو نہایت معتدل خیال کرتے ہیں مگر اہل ہند کے لئے تو وہ نہایت آزاردہ ہے پھر چھوٹا جزیرہ ہونے کی وجہ سے اس میں ہوا نہایت تیز چلتی ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیتے جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی سردی زیادہ آزاردہ نہیں ہوتی جس قدر کہ اُن ملکوں کی ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہوں اور برف باری نہ ہوتی ہو پھر اس پر طرہ یہ کہ ماہ نومبر سے اور کبھی اواسط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے۔ دریا میں بھی طغیانی اور ہوا میں طوفان انہیں دنوں میں ہوتا ہے۔ دسمبر اور جنوری پورے زور و شور سے سردی، ہوا، طوفان، بارش کے دکھانے والے مہینے ہیں۔ فروری میں ہوا کی تو کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں خفت ضرور شروع ہو جاتی ہے۔ ادھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آجاتی ہے۔

روگیٹ کمپ اگرچہ خندق میں واقع تھا مگر چونکہ اس میں فقط خیمے تھے اسلئے وہ سردی سے پوری محافظت نہ کرسکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا رات کو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدڑوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات سے کثرت سردی کی وجہ سے نہ اُٹھنے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی۔ صبح کے وقت مجبور ہو کر نماز کے لئے اُٹھنا پڑتا تھا تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا۔ سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ وضو کرنے کی کوئی ایسی جگہ بھی جہاں پر ہوا اور سردی سے محافظت ہو۔ پانی جو ہم بالٹیوں میں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کے

لئے رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا۔ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ بھی ایسی نہ تھی۔ جہاں پر ہوا اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے کو اُٹھاتے اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے۔

مولانا کی جفا کشی اور استقامت

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی۔ وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں سوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی۔ سردیوں میں آگ اور کوئلے سے تاپنے کی اکثر عادت تھی روئی کے کپڑے بہت استعمال فرمایا کرتے تھے۔ گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا جو سینکنے سے جاتا تھا۔ مگر باللہ کی اس سخت سردی میں حسب عادت شب کو ایک یا دو بجے کا اٹھنا کبھی اُنہوں نے نہ چھوڑا اسی وقت پیشاب فرماتے وضو کرتے تہجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اُس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں وقت گذارتے ہم جوانوں کو تو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا اُٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا مگر اُن کی استقامت اُن کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی۔ پھر اس پر طرہ یہ تھا کہ اس طرح اٹھتے تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی۔ نہ نیند میں اصلا فرق آتا تھا باوجودیکہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر و حضر میں ہمراہ اور رفیق تھے مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اس لئے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو روگیٹ کمپ کے ایک ماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی۔

روگیٹ کمپ سے عرب کمپ کو انتقال

ہم روگیٹ کمپ سے بہت اچھی طرح مانوس اور وہاں کے لوگوں سے پوری طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ دیکا یک کمانڈار کا بلا ہماری درخواست کے حکم آیا کہ تمکو کل کو عرب کمپ میں جانا ہوگا۔ ہم کو طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب بے سود ہوئیں۔ اس مدت میں چونکہ ڈاکٹر

غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدار سے تعارف ہو گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب ہاں کے احوال سے واقف تھے
اسلئے اُن کے اشارہ پر ہم نے درخواست کی کہ اگر ہم کو بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم
از کم اتنا تو کیا جائے کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کر دیئے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ بسر
کریں یہ استدعا منظور کر لی گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم کو وہ راحت جو کہ روگیٹ کمپ میں ہے عرب کمپ میں
نہ ملیگی اسی وجہ سے ہمکو پس و پیش تھی۔ مگر حقیقت میں ہم کو وہاں پہنچکر بہت ہی زیادہ راحتیں ملیں۔ وہاں پر
ہمکو ایک بہت بڑا کمرہ صاف کر کے دیدیا گیا اور کہا گیا کہ اس میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہیگا یہ
کمرہ نہایت وسیع تھا اس کے دو ٹکڑے تھے درمیان میں ایک دیوار حائل تھی جس میں دروازہ لگا ہوا تھا

مغرب
قطعہ نمبر ۲
دروازہ
قطعہ نمبر ۱
مشرق

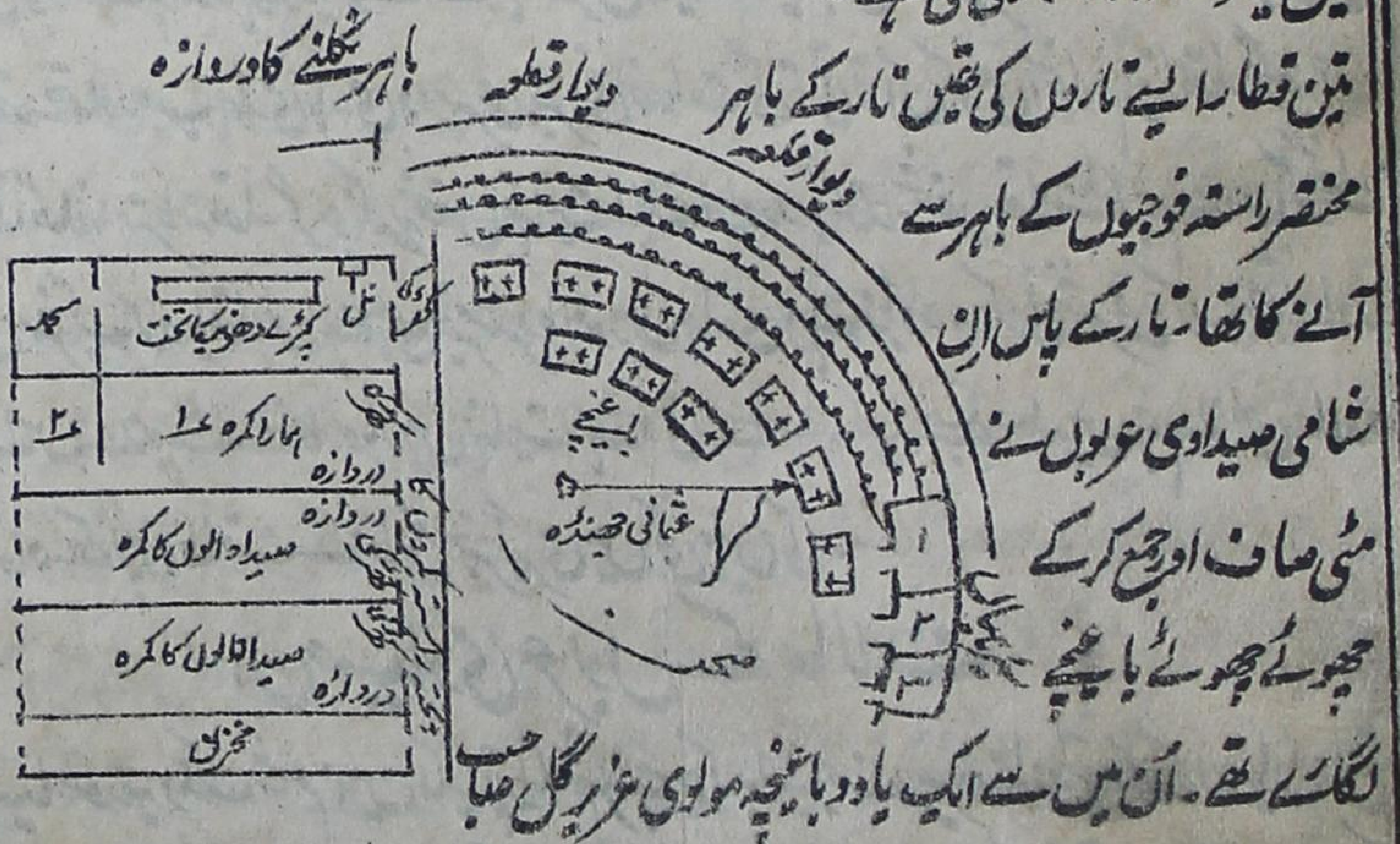
قطعہ نمبر ا کے بھی دو حصے ہم نے
کر دیئے تھے یعنی ایک پردہ ڈال کر
جس کی صورت (ﻌﻌﻌﻌ) یہ دکھلائی
گئی ہے۔ اندرونی اور بیرونی حصہ کو جدا کر دیا تھا۔ بیرونی حصہ (ک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹابیل (میز)
رکھی رہتی تھی جس پر چادر بھی رہتی تھی۔ اور چند کتابیں چُنی رہتی تھیں۔ اُس پر دیا سلائی اور سگرٹ بھی اکثر
رکھے رہتے تھے۔ اُس کے طول میں دونوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کرسیاں بچھی رہتی تھیں
جنمیں سے اکثر آفس سے ملی تھیں اور بعض خود ہم نے منگوائی تھیں دوسری طرف عرض کی جانب (ط) ایک چارپائی
لکڑی کی جس پر گدے اور کمبل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی۔ یہ سب باہر سے جو مہمان ملنے کیلئے آتے تھے۔ اُن
کے لئے انتظام تھا جب مہمان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لئے یہاں
بیٹھتے تھے (ی) یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں لوہے کی سلاخیں تھیں اور شیشہ کا دروازہ سردی
کے روکنے کیلئے لگا ہوا تھا۔ دیوار کا وہ حجم جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بقدر ایک کرسی کے اونچا تھا۔ اُس کے
ساتھ ایک تختہ لگا کر اس پر گدا ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں پر مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے
تھے اپنے درود و وظائف بھی سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے۔ گرمی کے اوقات میں
بیٹھتے تھے اس کا شیشہ کا دروازہ کھول دیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا۔ مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے
یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی۔ یہاں ہی بیٹھکر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ اس کھڑکی کے
باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک چارپائی دیوار سے متصل بچھا دی جاتی تھی۔ عصر کے بعد سے مولانا وہاں

بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اُس پر ہی آرام فرماتے تھے۔

قطعہ ۱ کا اندرونی حصہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چارپائی ہے اسی پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور (ج) مولوی عزیز گل صاحب کی چارپائی ہے یہاں ہی اخیر تک آرام کرتے رہے اور (د) حضرت مولانا کی لوہے کی چارپائی ہے یہ چارپائی تکلف تھی مگر اس پر مولانا فقط ایک دو شب ہی سوئے حالانکہ اسمیں راحت زیادہ تھی ہم سبھوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا وہ قصہ یاد دلایا جبکہ آپ کیلئے بستر کی گدی تہ بنادی گئی تھی اور اسی وجہ سے آپ کے شب میں اٹھنے کی ذراسی دیر ہوگئی تھی یہ چارپائی اخیر تک فقط یونہی رہا کی کسی نے اُس کو استعمال نہیں کیا (ہ) حسین احمد (کاتب الحروف) کی چارپائی ہے (ل) درمیان میں ایک جگہ بھی رہتی تھی اطراف میں گدے پڑے رہتے تھے۔ یہاں ہی بیٹھکر کھانا دونوں وقت کھایا جاتا تھا۔ یہ تمام میدان پردہ تک بچھا رہتا تھا۔ اور اگر کبھی مجمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی پر بیٹھے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولھے کی ہے جس میں سردی کے زمانہ میں کوئلہ جلایا جاتا تھا اور دیوار میں اوپر تک دھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ اس میں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا یوروپ میں سردی کی وجہ سے مکانوں میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ نمبر ۲ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چارپائی کی جگہ ہے اور (س) وحید کی چارپائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہیں جن میں مختلف سامان صندوق وغیرہ رکھا کرتے تھے اسی قطعہ ۲ میں سب اسباب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا اور اسمیں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا۔ اسمیں دو کھڑکیاں بھی جنوب جانب کو تھیں جن سے ہوا خوب آتی تھی اور اسمیں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اسلئے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرق جانب اسی طول اور عرض کے دو اور بڑے بڑے کمرے تھے جو اسمیں ملے ہوئے تھے اس میں قصبہ سید الملک شام (صوریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور ملاح تھے اور مغربی جانب میں اس سے ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جسمیں دو حصے تھے جو حصہ نمبر ۲ کے برابر تھا اُس کو ہم نے کمبلوں سے بچھا کر مسجد بنالیا تھا۔ گورمنٹ نے کچھ کمبل دیدیئے تھے۔ باقی ان صیدا والی عربوں نے اپنے پاس سے ڈالکر بچھائے تھے سب ملکر یہاں نماز پڑھتے تھے۔ یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے۔ اس بڑے کمرہ کے بیرونی حصے میں جو کہ ہمارے ملے کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ اسی کے پاس ایک لمبا تخت لگا بنا

بنا ہوا تھا۔ تاکہ اس پر کپڑے زمین پر آدمی کھڑا ہو کر دھو سکے۔ اسی نل سے سب وضو کرتے تھے۔ ان کمروں
کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا۔ جس کا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا تھا۔ جس کی صورت نقشہ
میں یہ (xxxxx) دی گئی ہے۔



تین قطار ایسے تاروں کی تھیں تار کے باہر
مختصر راستہ فوجیوں کے باہر سے
آنے کا تھا۔ تار کے پاس ان
شامی صیداوی عربوں نے
مٹی صاف اور جمع کر کے
چھوٹے چھوٹے باغیچے
لگائے تھے۔ ان میں سے ایک یا دو باغیچہ مولوی عزیز گل صاحب
کا بھی تھا۔ اس میں مرچ۔ پودینہ۔ دھنیا۔ مولی وغیرہ بوتے رہتے تھے۔ بعض بعض درخت پھول یا
ارنڈ کے بھی تھے۔ اس صحن کے وسط میں ایک بڑا عمود ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا جس پر ہر جمعہ و عید کو
یا جب کبھی کوئی خوشخبری ترکوں اور انکے خلفاء کی آتی تھی تو ترکی پھریرا اور ہلال اڑایا جاتا تھا۔ گرمیوں میں
اس صحن میں سب سوتے تھے۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳ چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں۔ جن میں مختلف سامان کیمپ کا
رہتا تھا۔ یہ کوٹھریاں صحن کے کنارے واقع تھیں جن کی چھت پر بالائی سیڑھیاں تھیں۔ انہیں میں سے بیچ
کی کوٹھری کو مولانا مرحوم کے لئے گورنمنٹ نے خالی کرا کر ایک بالٹی اور چوکی رکھوا دی تھی۔ کیونکہ جب حکام نے
مولانا سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں جس کا مفصل تذکرہ ہم آگے کریں گے تو ان سے پاخانہ
کی دوری کی شکایت کی گئی اور یہ کہ سردی اور بارش کے ایام میں رات کو اندھیرے میں وہاں جانا بہت
اذیت دیتا ہے اور مولانا کو پیشاب کی ضرورت ہمیشہ رات کو کئی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے چینی کا برتن
دیا کہ رات کو اس میں پیشاب کر کے صبح کو پھینکدیا کرو۔ مولانا اس پر راضی نہ ہوئے۔ تو انہوں نے اس
کوٹھری میں بالٹی اور چوکی رکھوا دی جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا۔

انتظام پارچہ شوئی و دیگر خدمات خارجیہ

چونکہ ہر اسیر پر اپنے کیمپ کا صاف کرنا پاخانہ کا دھونا اور باہر سے رسد وغیرہ کا لانا ضروری تھا اس لئے ہم

نے اس کام کے لئے دینز کپڑوں کے دھونے اور کمرے کے جھاڑو دینے کے لئے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتدا میں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے ایک شخص کو انہیں صیداوی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا اس کو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ یہ سبھوں کے کپڑے دھوتا تھا۔ صابون وغیرہ ہم دیتے تھے اور جب ہماری باری دوسری بیرونی خدمات کی آتی تو ان کو بھی انجام دیتا تھا۔ اگرچہ اس میں کھانا کھلانا شرط نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ شخص نہایت امانتدار اور دیانتدار شخص تھا اسلئے ہم نے اس کو کھانے میں بھی شریک کر دیا تھا اس نے بھی غیر مشروط امور میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی۔ اور اخیر تک اس نے بہت سے کاروبار میں نہایت ہمدردی سے حصہ لیا جسکے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقرر تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

ان صیداوی عربوں کے حالات

شہر صیدا سوریہ (ملک شام) میں ایک پرانا شہر ہے جو کہ برلب سمندر بیروت اور حیفا کے درمیان واقع ہے۔ بیروت سے خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی ہیں۔ عکہ اور حیفا کو بھی یہاں سے راستہ جاتا ہے۔ یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پرانا دکھایا جاتا ہے مگر زمانہ کے تقلبات نے اس کو اس قدر پیمانہ پر باقی نہیں رکھا بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں اس قدر بڑا شہر نہ تھا اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہو گیا ہے۔ صیدا میں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہے اس میں باغات نہایت کثرت سے ہیں۔ سنگترے۔ لوکاٹ۔ سیب۔ انگور وغیرہ میوہ جات عمدہ اور بکثرت پیدا ہوتے ہیں یہاں کے لوگ بعضے تو زراعت اور باغبانی کرتے ہیں اور بعضے تجارت پیشہ ہیں۔ جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر کے مصر لیجاتے ہیں اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کمپنی بنا کر حصوں میں تیار کرتے ہیں اور ان پر تجارتی مال لادتے ہیں سوریہ اور افریقہ اور یوروپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قائم رکھتے ہیں اور سردی کے وہ زمانے جن میں دریا میں طوفان ہوتا ہے اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں کیونکہ ان ایام میں بادبانی جہاز کام نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو دریائی سفر اور اسکے احوال کی واقفیت موسموں اور ریاح کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہے ان میں اکثر لوگ پانی میں اسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر غوطہ لگانا تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بھی

ان کی اچھی ہے۔ جفاکش دیندار لوگ ہیں جن ایام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہمیشہ مچھلی ہی کے شکار پر بسر کرتے ہیں مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کر کے اپنے مصاریف نہایت وسعت سے چلاتے ہیں۔ جو لوگ مالٹہ میں ہمارے ساتھ اسیر تھے یہ سب بھی تجارت پیشہ اور جہازراں لوگ تھے جو کہ قبل از اعلان جنگ اپنے اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لائے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال فروخت کر کے اس کے بدلے میں وہاں سے مال خرید کر کے واپس ہوں گے کہ یکایک ٹرکی اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو بغیر مہلت دینے اور خبر کرنے کے یکبارگی پکڑ لیا۔ جہازوں اور جملہ مال اور نقد کا مصادرہ کر لیا۔ ان کو قید کر کے مالٹہ روانہ کر دیا بیچارے ابتدائے جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے۔ ان کے اہل و عیال اکثر ہلاک ہو گئے طرح طرح کی مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التوائے جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوٹے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس یا پینتیس آدمیوں کی تھی جن میں سے بعض بلغار کمپ اور روکیٹ کمپ میں بھی رہتے تھے۔ ہمارے کمپ میں تقریباً پچیس آدمی تھے۔ بیچارے عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانت دار تھے۔ ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً ان کے معاملات نہایت ہی شریفانہ رہے۔ ہر ایک ہماری ہمدردی اور غمگساری کے لئے تیار رہتا تھا ان لوگوں کے ساتھ ہم کو اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت زیادہ تعلق ہو گیا تھا۔ ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشاشت سے قبول کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت تھی حکم شرعی جان کر ڈاڑھیں چھوڑ دی تھیں۔ جماعت سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے تھے۔ اذان تکبیر وغیرہ سب کے یہی لوگ متکفل تھے۔ ان میں سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہوئے تھے اور خط و کتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھا۔ علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات

مولانا عشا کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کرتے اور پھر سو جاتے تھے۔ کیونکہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا سب چراغ اور

موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں کمروں
میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کمپ اور راستوں
کی روشنی کے لئے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں۔ ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا
الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب
کو اٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں نکلتے دروازہ سے باہر تشریف لیجاتے پیشاب سے فارغ ہو کر
وضو فرماتے تھے گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے
زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چولھے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ جاڑ
کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا تھا اور اس میں نیچے ٹونٹی بھی لگی ہوتی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس
بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا۔ پانی خوب گرم کر لیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرہ میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا اس
لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے پانی
صبح تک خوب گرم رہتا تھا۔ حالانکہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کی
ضرورت ہوتی تھی اسی سے پانی گرم لیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کے دائیں جانب
موٹے سفید اونی جانماز کمبلوں پر ہمیشہ بچھی رہتی تھی اندھیرے ہی میں جا کر اس پر نماز تہجد ادا فرماتے تھے
جب اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ و ذکر خفی میں مشغول
رہتے تھے ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسم ذات کی کوئی مقدار معین قرار رکھی تھی۔
اسکو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے مراقبہ کا اس قدر انہماک ہو گیا تھا کہ اکثر حصہ رات کا اسمیں گذرتا
تھا۔ استغراق بعض اوقات میں غالب ہو جاتا تھا۔ ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں دوہراتے
تھے مگر سمجھتے نہ تھے صبح کی نماز سے پہلے اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز با جماعت ادا فرما کر
وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اسکے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر
اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اسوقت مولانا کیلئے ابلے ہوئے انڈے اور چاء تیار رہتی تھی وہ پیش کر دی
جاتی تھی اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمہ
قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے۔ یا وحید کو
سبق پڑھاتے اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا کھانا تناول فرما کر چاء نوش فرماتے تھے اس کے بعد

اگر کسی سے ملنے کے لئے وروالہ یا سینٹ کلیمنٹ کیمپ یا ملغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہنکر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لئے دوسرے کیمپ میں سے آجاتا تو اُس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چارپائی پر اور اگر کبھی بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے تھے اور اُس پر کمبل اور تکیہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور اُن گدوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے تھے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علیحدہ رکھے رہتے تھے۔ اور جب تک وہ حاصل نہ ہوتے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھائے جاتے تھے گاڑھے کی ببول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھ کر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہی عادت مولانا کی وطن میں بھی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضاء حاجت کیلئے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے۔ مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے ظہر کی اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے۔ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اسوقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہو کر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے۔ چونکہ عربی کتابوں میں سے فقط مشکوۃ اور ترمذی پاس تھیں اس لئے انہیں دونوں کو پڑھاتے رہے یہاں تک کہ دونوں ختم ہو گئیں۔ جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہو گئی تھی۔ اسکے بعد کتابوں کے نہ ہونے، وحید کی بے شوقی، مدت اقامت کی لاعلمی، کی وجہ سے اور کتابیں شروع نہ ہوئیں۔ اسکے بعد اکثر ترجمہ قرآن پر نظر ثانی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے۔ کچھ دنوں تک میں بھی اس میں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجکو تمام دن میں قرآن کے دور کرنے کے لئے یہی وقت فارغ ملتا تھا۔ اس لئے میں نے شرکت اس میں چھوڑ دی تھی۔ دونوں حضرات کی بحثیں بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے ہوتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی تاریخ ایسی ہوتی جسمیں ظہر کے بعد دوسرے کیمپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ہمکو بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کیمپوں میں ظہر کے بعد جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف لیجاتے تھے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے تھے اسلئے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایک دن روگیٹ کیمپ میں جاتے اور ایکدن

سینٹ کلیمنٹ کمپ میں اور ایکدن بلغار کیمپ میں۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکر خفی لسانی میں مشغول ہوتے۔ وہ ایکہزار دانہ والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے رہتے ہاں اگر ورد کسی وجہ سے رہگیا ہوتا تھا تو اُس کو اُس وقت میں پورا فرما لیتے۔ اکثر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اسوقت کھانا تیار ہو جاتا تھا تو جب دستر خوان چن لیا جاتا تھا اسوقت مولانا سے عرض کیا جاتا تھا کہ تشریف لائیے کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھتے اور اپنے کام میں مشغول ہو جاتے چار و ہیں پیش کر دی جایا کرتی تھی مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر ذکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لیکر عشا تک مشغول رہتے اس رمضان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کیلئے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات بھی کر لیتے ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے ۱۲ بجے تک اور کبھی کبھی ظہر کے بعد ۱ بجے سے ۴ بجے تک بعض ترکی احباب وغیرہ تشریف لاتے تھے تو اُس وقت مولانا اپنے کام کو چھوڑ کر اُن کے پاس آ بیٹھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹہ کی اقامت کے ایام میں ہوا دن و رات اُن کو یہی دھن تھی اور یہی شغلہ تھا نہ کبھی ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا اوقات تو اُن کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی۔ یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے۔ کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقرر فرما دیئے تھے اُن کے طے کرنے کا ذریعہ یہ سفر اور یہ اسارت قرار دی گئی سطے ہو جانے کے بعد اُن کو وطن بھجوا کر بہت جلد بُلا لیا گیا۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ✤ گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

دُنیا اور آخرت کی سُرخروئی، اہل زمین اور اہل آسمان میں نیکنامی اور رفعت ذکر، معنوی اور مادی ترقی۔ قبولیت حقیقی، اور بے نہایت اجر و ثواب، قیامت تک کیلئے صدقہ جاریہ اور ذکر محمود و نشر علم حدیث اور تفقہ فی الدین، جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دین، اخلاص و للّٰہیت اور زہد فی الدنیا، خدمت قرآن اور ریاضتِ باطنیہ، استقلال و ثبات اور تحمل و تواضع خالص، عشق حقیقی اور معرفت کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات قسام ازل نے اس پردہ میں مولانا کے پیشتر سے دوبالا بلکہ اضعافاً مضاعفۃً کر کے اپنا خاص مقرب بندہ بنا لیا

اور آنے والوں کیلئے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا یہ وہ فضائل ہیں کہ جن کا مجموعہ قرنوں میں بھی کسی ہی کسی فرد میں پایا جاتا ہی ازمنہ حاضرہ میں چراغ لیکر ڈھونڈھیئے اور مشرق سے مغرب تک کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کو چھانیئے تو ایسے مجموعہ کا وجود ہاتھ نہ آئیگا بلکہ غالباً انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر کا سماں دکھلائیگی ؎

فضائل ہائے شتّی میں سے کوئی ایک دکھلا دے ۔ کئے تھے حق تعالیٰ اے نجو مولانا کو ارزانی

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ۔ عبید سود کا اُن کے لقب ہی یوسف ثانی

مالٹا میں پہنچنے پر نقد میں تنگی

ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ جیزہ میں ہم سے لیلیا گیا تھا اور اُس میں سے چار پونڈ ہمکو مصاریف کیلئے وہاں دیا گیا تھا جسمیں سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہم نے راستہ کے خرچ کے لئے اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) پونڈ کیلئے جیزہ کے انگریزی افسر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ یہ نقد روپیہ وہیں مالٹہ میں ملجائیگا ہم نے اُس سے کوئی رسید وغیرہ نہ مانگی اور اُس کے قول پر اطمینان کرکے یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاک وہاں یہ خبر بھیجدی جائیگی مگر مالٹہ پہنچنے پر جب ہمکو ضرورت ہوئی تو ہم نے کمانڈار سے طلب کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کی وجہ سے ہمکو سخت کلفت کا سامنا ہوا اُس نے ایک مرتبہ جبکہ ہماری خاطرداری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو ہم کو اطلاع دیدو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اُس نے کہا کہ مجکو کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میں اس کے متعلق کوئی انتظام نہیں کر سکتا تب ہم نے درخواست کی کہ آپ مصر میں تحریر کریں اور استفسار کرکے منگائیں۔ اُس نے اس کو قبول کیا۔ ہمارے آنے کے دوسرے دن میجر حسن عزت بیگ کا دو آدم سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا شایق ہوں۔

میجر حسن عزت بیگ

میجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف وضع علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا جس کے ہر ہر عمل اور حرکت سے مروت اور انسانیت ٹپکتی تھی۔ اصل میں اُسکا وطن دمشق شام تھا۔ اُسکا رتبہ فوجی ہمگیا یعنی میجر تھا۔ وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر موظف ہوکر حکومت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں نہایت ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر رہا تھا۔ اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جنگ کے زمانہ میں وہ یمن میں عہدہ دار تھا اسکو گورنمنٹ

حکم ملا کہ وہ حجاز میں بحری راستہ سے جاوے اور احکام فوج کے پورے کرنیکی کوشش کرے چنانچہ وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندروں سے معہ اپنے سامان وغیرہ کے بادبانی کشتی پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (قلزم) میں اُن دنوں دخانی آگبوٹ کا ملنا ممکن نہ تھا بادبانی کشتی سمندر میں سفر کر رہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اسکو دور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا۔ اگرچہ میجر موصوف اپنے رسمی اور شہری لباس میں اُسوقت نہ تھا مگر جہاز تک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا۔ وہاں پر انگریزی سی آئی ڈی کے لوگ موجود تھے اونہوں نے خبر پہنچادی تھی۔ خیال کیا جاتا ہی کہ یہ امور شریف حسین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر پھیل دیئے گئے تھے۔ غرضکہ انگریزی آگبوٹ نے جبراً میجر موصوف کو گرفتار کر لیا تمام اسباب لیلیا اور جاکر عدن کے قید خانہ میں ڈالدیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مصر کو منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہنا پڑا پھر مالٹہ بھیجدیا گیا۔ اور اخیر وقت تک ممدوح کو وہاں کے ایام کاٹنے پڑے۔

مولانا مرحوم اگلے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں۔ اسلئے غالباً مصاریف کی ضرورت ہوگی ہم سب آپکے ہمدرد اور خادم ہیں جس قدر کی ضرورت ہو بلاتردد آپ ہم سے ظاہر فرمائیں ہم نے کہا کہ ہم سب آپکا شکریہ ادا کرتے ہیں ہمارے پاس ایک مقدار معتدبہ موجود ہے جسکو حکومت نے ہم سے لیلیا تھا اور یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ غالباً دو چار دن میں یہاں آجائیگی۔ اُس نے ہمارے احوال وغیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا رہا۔ چلتے وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے شرمائیں اسلئے تم جو اُن کی ضرورت ہو مجھ سے بیان کر دینا جب ہمکو کچھ عرصہ گذر گیا اور نقد کی کوئی خبر نملی کمانڈار اسرا رہے بھی باوجود تقاضوں کے صاف جواب دیدے تو بہت دقت کا سامنا پیش آیا۔ اسلئے رائے یہی ہوئی کہ میجر موصوف سے قرض لیلیا جاوے چنانچہ موصوف سے مختلف اوقات میں تقریباً ۵ پونڈ لینا پڑا۔ علاوہ ازیں اور بھی بعض آدمیوں سے قرض لینا پڑا کیونکہ ہمارے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میجر موصوف کے افسر کرنل علی ظفری بیگ نے اُن کو اپنے پاس قال فرسٹہ میں منتقل ہونے کو فرمایا۔ اسلئے وہ وہاں چلے گئے۔

افسروں کی تنخواہ

حسب قواعد مقررہ دول متمدنہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ میں بہت زیادہ حقوق دئے جاتے ہیں اُن کے لئے تنخواہیں بمقدار کفایت دی جاتی ہیں۔ جن کا بوقت صلح حساب کیا جاتا ہے ہر بادشاہت نے

جس قدر خرچ کیا ہے اپنی مقابل پادشاہت سے وصول کرتی ہے۔ اگر دونوں برابر سرابر ہو جاتے ہیں جب تو خیر ورنہ زائد مصاریف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے چھوٹے افسروں کو چھ پونڈ اور بڑے افسروں کو یعنی کرنیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ ماہوار دیا جاتا تھا جسمیں سے خوراک کی رسد میں تقریباً ڈیڑھ پونڈ ماہوار محسوب ہو کر باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کر دیا جاتا تھا کیونکہ مقرر تھا کہ کسی اسیر کو خواہ اس کی تنخواہ ہو یا اس کی تعداد جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دیجا سکتی افسروں کے لئے علاوہ اس کے پلنگ لوہے کے، گدے عمدہ اور صاف، چادریں اور کمبل بھی عمدہ قسم کے، الماریاں، آئینے، چینی کے استعمالی برتن، عمدہ کمرے، کرسی، میز وغیرہ دئے جاتے تھے جو کہ سول بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہیں ملتے تھے۔ ہاں اگر کسی کمیٹی سے جو کہ اسراء کے انتظام کی ذمہ دار تھی کسی سویلین افسر کے لئے حکم ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ ملٹری آفس کا معاملہ کیا جاوے تو اس کے حقوق ویسے ہی ہوتے تھے۔ مذہبی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار ہوتے تھے۔

تقریباً دو مہینہ تک ہمکو یہ انتظار اور تکلیف اٹھانی پڑی۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ روپے ہم سے لیکر فوراً برٹش بنک میں جمع کر دئے گئے تھے اور پھر چونکہ بنکوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہئے خصوصاً انگریزی بنکوں کو اسلئے اسکے حوالہ کرنے اور پہنچنے میں تاخیر کی گئی اس مدت میں جب ہم نے تقاضا زیادہ کیا تو آفس کیطرف سے قسطنطین (دوکان) والیکو کہدیا گیا کہ تم ان کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دیا کرو انکے روپے ملجائینگے چنانچہ وہاں سے بھی ہم نے تقریباً ساڑھے چھ پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دوسرے لوگوں سے بھی قرض لینے کی نوبت آگئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء مطابق ۴ رجب ۱۳۳۵ھ ہجری کو ہم کو فی کس دو پونڈ کے حساب سے دس پونڈ وصول ہوئے جس سے اکثر قرضہ ادا کر دیا گیا۔ فقط میجر حسن بیگ کا قرضہ اس ہفتہ میں نہیں ادا کیا گیا۔ چونکہ مالٹہ میں قیمتیں چیزوں کی اسقدر گراں تھیں کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں دس بارہ شلنگ خرچ ہو جانا معمولی بات ہوتی تھی (ایک پونڈ ۲۰ شلنگ کا ہوتا ہے) اسلئے بہت زیادہ مصاریف واقع ہوئے خصوصاً ابتدا میں اسلئے کہ آئندہ کے انتظامات کیلئے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا ہے اور کچھ بد انتظامیاں بھی ناواقفیت اور نالائق واسطوں کی وجہ سے پیش آئیں۔ ۲۴ شعبان تک یہ تمام مقدار (۷۷) پونڈ کی آفس سے وصول ہوگئی جو کہ مولوی عزیز گل صاحب کی تحویل میں رہتی تھی۔ ہفتہ وار خرچ کے لئے ان سے حسب حساب لیلیا جاتا تھا۔ یہ مقدار نقود کی برابر خرچ میں آتی رہی۔ اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت شعاری سے انتظام کیا مگر گرانی اشیاء اور گوشت کے نہ ہونے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ بڑھتا ہی رہا

چونکہ ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی مقدار موجودہ تھوڑی تھی اسلئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ غرضکہ ابتدائے ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ سے (جوکہ انگلا دن دخول مالٹہ کا ہی) اواسط ربیع الاول سنہ ۱۳۳۶ھ تک ہم نے اس ۷۷ پونڈ کی مقدار کو خرچ کر ڈالا اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت یہ دیکھی اور اسارت کی نہایت کی کوئی اطلاع نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ بقیہ ہمارے نقود جوکہ تقریباً (۴۰) پونڈ یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ حوالہ بھیجا دو چنانچہ منشی محمد حسین صاحب نے (۳۵) نقد اور دیگر ضروری اشیا پان چھالیہ وغیرہ بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ بھیجا جسکی صورت یہ واقعہ ہوئی کہ اگرچہ اولاً جدہ کی حکومت قبول نہیں کرتی تھی مگر جب ہم نے بذریعہ آفس گورنر مالٹہ سے خواستگاری کی کہ ہماری ضروری پارسلیں اور نقود مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ منگادی جائیں۔ اس وقت وہاں سے حسب قانون حکم کیا گیا اور ہمارے نقود وغیرہ آگئے۔ چنانچہ ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء مطابق ۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۶ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ میں ہمکو وصول ہوگئی جس کو بطور امانت علیحدہ مولوی عزیز گل صاحب کے پاس رکھا گیا۔ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۶ھ سے اس مقدار میں سے خرچ کرنا شروع کیا گیا اور ۱۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء تک یعنی تقریباً تین ماہ تک اس مقدار میں سے صرف ۷ پونڈ خرچ کیا گیا۔ اور نہایت کفایت شعاری کو کام میں لایا گیا۔ اس کے بعد اپریل سنہ ۱۹۱۸ء سے نقد گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہو گیا جس کی تفصیل آئندہ ذکر کی جاویگی۔

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ہمارے ساتھ ہی روگیٹ کمپ سے عرب کیمپ کے کمرہ میں آگئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے اگر خلاف طبع امور پیش آتے تھے تو ہم تو قوت حاکمہ اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وہ حالت نہ تھی کچھ ہی دنوں کے بعد رفتار میں خلاف طبع امور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ ہم نے ہر طرح اصلاح کی کوشش کی ان دونوں حضرات کو مصارف زائدہ کی گرانباری کا بھی متحمل نہ کیا خدمات وغیرہ میں بھی حتی الوسع ان کی خبر گیری اور ہمدردی پوری طرح کی گئی مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ماہ رمضان سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق اوائل جولائی سنہ ۱۹۱۷ء میں مسٹر سیدار علیحدہ ہو کر روگیٹ کمپ کو چلا گیا اور پھر ڈاکٹر غلام محمد ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء مطابق اواخر ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۵ھ میں روگیٹ کمپ میں چلے گئے۔

علی بیگ کا واقعہ

ہمارے مالٹہ پہنچنے سے پہلے ٹرکی کے دو افسروں میں کچھ اختلافات روگیٹ کمپ میں واقع ہوئے۔ یہ دونوں ٹرکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہوکر مصر میں موجود تھے کہ اعلان جنگ ہوا۔ حکومت انگریزی نے دونوں کو معہ دیگر اسرا کے یہاں مالٹہ میں بھیجدیا تھا۔ علی بیگ ٹرکی حکومت میں یوزباشی (کپتان) فوجی تھا اور دوسرا ڈاکٹر تھا۔ ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی۔ شب میں سوتے ہوئے علی بیگ نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چھری سے سخت زخمی کردیا۔ ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور علی بیگ کو قید خانہ میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹر کو ایسا زخم کاری لگا تھا کہ وہ جانبر نہ ہوسکا۔ مقدمہ قائم کیا گیا۔ حکام نے اُسکی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا ٹرکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کی گئی۔ وہاں سے بھی اجازت آگئی۔ آخر کار علی بیگ مرحوم کے لئے پھانسی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ جبکہ اُس کی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹہ پہنچے۔ حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اسکو پہونچی اُس نے دہیں جیل خانہ میں درخواست کی کہ میں مولانا سے ملنا چاہتا ہوں۔ غالباً یہ درخواست اُسکی پھانسی سے پانچ چھ دن پہلے ہوئی تھی۔ چنانچہ آفسر نے مولانا کو موٹر پر وہاں پہنچایا۔ یہ شخص چونکہ اصلی باشندہ ٹونس یا الجیریا کا تھا۔ اس لئے عربی زبان خوب جانتا تھا۔ اُس نے مولانا مرحوم سے باتیں کیں اور بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا۔ دوسرے دن پھر طلب کیا اور پھر مجکو (کاتب الحروف) کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت میں بھی موجود رہیں اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں۔ اگرچہ مولانا مرحوم کو ان امور سے کوئی سابقہ خاص طور سے نہ پڑا تھا۔ اور نہ ان کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی مگر اُس وقت میں اسکے سامنے انکار کرنا بھی غیرمناسب معلوم ہوا اُس نے علاوہ کاتب الحروف اور مولانا مرحوم کے اور بھی مصر اور ٹرکی کے بعض آدمیوں کو اپنی تکفین وغیرہ کے لئے طلب کیا تھا۔ چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کے وقت ہم سبھوں کو آفسر لیگئے۔ وہیں ہم سبھوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہنچے۔ تقریباً سات یا آٹھ بجے پھانسی کا وقت آگیا۔ وہاں ہی سبھوں کے لئے چاء حاضر کی گئی تھی۔ سبھوں نے اور خود علی بیگ نے بھی چاء پی تھی اور پھر کچھ وصیتیں کیں اور جب وقت پھانسی کا آگیا اور اسکو ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اُس وقت اُس نے مولانا سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے چبوترے اور تختہ تک رہیں۔ چنانچہ اُس نے مولانا کے ہاتھ پکڑلئے اور پھانسی کے تختہ تک برابر لیگیا۔ باقی لوگ سب کے سب چبوترہ کے نیچے کھڑے تھے جب اُس کو تختہ پر کھڑا کیا گیا۔ تب اس نے ہاتھ چھوڑا۔ مولانا مرحوم اس کے قریب وہاں ہی رہے۔ اُسی دم اُس کو حلقہ پھانسی کا پہنا دیا گیا اسنے کلمات

شہادت ادا کئے اور تختہ ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد سب لوگ باہر کر دیئے گئے تھوڑی دیر کے بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خاص گاڑی میں جو اسی نعش کے ڈھونے کے لئے وہاں ہوتی ہے رکھدی گئی اور ہم سبھوں کو موٹر میں زیر حراست قبرستان اسلام میں پہنچا دیا گیا۔

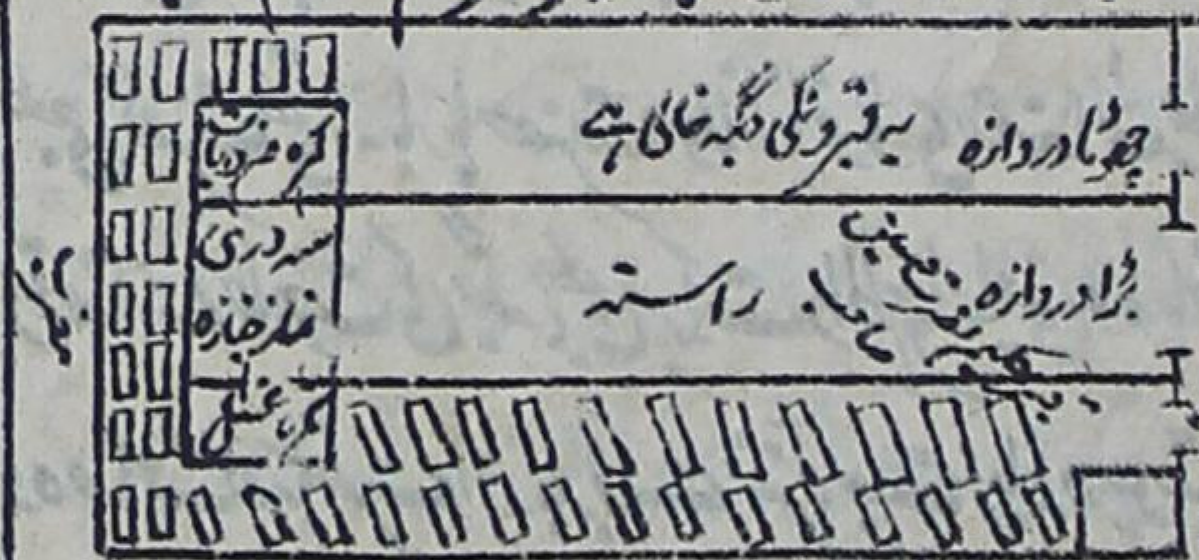
اسلامی قبرستان

سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے مالٹہ میں اس وجہ سے کہ اب اس میں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے ہیں۔ جہازوں میں بعض مسلمان مریض ہوتے اور وہاں برائے مداوات اتار دیے جاتے ہیں پھران میں سے بعض مر بھی جاتے ہیں بعض جہازوں کے مردے بھی وہاں اتارے جاتے ہیں۔ ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لیکر اس کا بڑا احاطہ اور حسب ضرورت اس میں تعمیر ہوائی ہی تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہی جس میں ایک طرف کے حصے میں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریات غسل بھی وہاں مہیا ہیں اور دوسرے سامنے کے کمرے میں ضروریات نماز جنازہ وفرش وغیرہ رکھے ہوئے بیچ کا دالان نماز جنازہ کے لئے ہے دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی معہ اپنے اہل وعیال کے رہتا ہے جو کہ ترکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے۔ قبروں کا کھودنا اور غسل کے لئے پانی وغیرہ حاضر کرنا اس کا منصبی فریضہ ہے۔ چونکہ مالٹہ میں کوئی مسلمان نہیں وہ ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر ہیں بھی تو وہ ایسے کاروبار نہیں کر سکتے اسلئے بمجبوری اس کام کے لئے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ترکی حکومت کی طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردے کی تجہیز وتکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ترکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے اس کی جائے قیام ترکی سفیر کا بنگلہ ہے جب کوئی مسلمان مرتا ہی تو گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے اسکو اطلاع دیجاتی ہے وہ گورکن کو اطلاع دیتا ہے اور حسب قاعدہ شرعیہ عمل کرتا ہے۔ گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے بھی اسکو ایک پونڈ فی کس ملتا ہے اور غالبًا گورکن کو بھی کچھ ملتا ہے۔ امام جنگ میں وہاں کے امام جمال الدین آفندی دیار بکری تھے سفیر تو حسب قاعدہ اعلان جنگ سے پہلے ہی چلا گیا تھا مگر امام موصوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اسیر کر دیا گیا بدیں حیلہ کہ ترکوں نے ہماری ایک عورت کو اسیر کر لیا ہے اسلئے ہم اس کے بدلے میں تمکو بھی اسیر کرتے ہیں سنا گیا ہے کہ اسی قسم کا انتظام

خلافت ٹرکی کی طرف سے یورپ کے جملہ اُن مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمد و رفت ہو
یا سفرا وغیرہ وہاں رہتے ہوں جیسے لندن۔ پیرس۔ مارسیلیا وغیرہ وغیرہ ہمارے قبرستان میں پہنچنے کے
بعد ہی تھوڑی دیر میں جنازہ پہنچا اسی وقت
پانی وغیرہ منگایا گیا موجودہ لوگوں میں ایسے
لوگ نہ تھے جن کو قواعد شرعی کے موافق غسل دینے
کی نوبت آچکی ہو اسلئے کاتب الحروف نے اس
طرف توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبدالحمید مصری

اسلامی قبرستان مالٹہ

بنا کردہ سلطان عبدالعزیز مرحوم



اور علی آفندی فہمی وغیرہ کو معین لیکر مرحوم کو غسل دیکر کفنایا حضرت مولانا مرحوم نے نماز پڑھائی اور دفن
کرکے واپس ہوئے۔ قبرستان کا پڑا ہوا نقشہ تقریباً بصورت مذکورہ ہے مگر چونکہ رخ قبلہ کا ذرا ٹیڑھا ہے
اسلئے قبریں عمارت کے لحاظ سے ذرا ٹیڑھی بنائی جاتی ہیں حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا
تھا اسکے بعد جب کبھی قبرستان میں جانا ہوا ہے تو اس کی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے۔

مولانا کی مراعات کا حکم

غالباً ستمبر یا اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈر نے کہا کہ ہمارے پاس آپ
کیلئے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپ کی خاطرداری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق فوجی کپتان
کے کئے جاتے ہیں وہ آپ کیساتھ ملحوظ ہوں اسلئے ہم آئندہ انکا اہتمام کریں گے مگر آپ کو کوئی ضرورت
یا شکایت ہو تو بیان فرمایئے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کیمپ میں جاکر کل کو لکھکر بھیجدونگا اس نے کہا
کہ اپنے قیام کے لئے جس کیمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کردیں گے۔ مولانا
مرحوم نے فرمایا کہ میں اس کیمپ ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا
اس نے کہا کہ وردالہ اور وال فرسٹہ میں اچھے اور آرام کے مکانات ہیں مولانا نے فرمایا کہ میرے لئے
پیشاب کی سخت تکلیف ہے اس کا کوئی انتظام کردیجئے۔ باقی امور کو میں کل لکھوں گا۔

عرب کیمپ کو پسند کرنیکی وجہ

مولانا مرحوم کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غربا اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس،
چال، معاملات وغیرہ اسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے اہل دنیا اور امرا اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے

طالبعلموں سے بیحد اُنس تھا۔ ریل میں بھی تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔ مگر با ایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے۔ کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور اُن سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا، وضعداری، تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ "عوام الناس کا پاخانہ (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے" یعنی وہ پاخانے جو خواص اور اُمراء کیلئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر اُن میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پاخانوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلّی مرغوب ہے وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی سیاہ روئیوں کی جڑ ہے۔ اسلئے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اُس کا تمیز احساس کرتے ہیں اُسکو برائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسر نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہے اسکو محبوب رکھتے ہیں ظاہری بدبو اور کثافت مادی، معنوی بدبو اور کثافت روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی رکھتی ہے۔ امراء کا پاخانہ نفس میں عُجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس کا پاخانہ اس کو پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ برخلاف اسکے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے جبکہ پاخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات، البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجئے فرماتے تھے کہ فقہائے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ خلاف ہو اور اُنکی دلشکنی کیجائے۔ مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اسمیں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اسپر نہایت شاق بھی گذرتا ہے کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے دوسرا آتا ہے اور اسی پانی کو منہ میں اور ناک میں ڈالتا اور اُس سے چہرہ کو دھوتا ہے اسلئے نفس امارہ والے اور بڑے بڑے دنیادار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بنا پر نہایت افضل ہے واقعیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں استاد شاگرد (یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ) اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری ہوتی ہے اسکے

لئے ازحد کوشاں ہوتے تھے اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت تعلی، خودداری، ہوتی تھی اس سے کوسوں بھاگنے کی فکریں کرتے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو یوں تو ہم سبھوں کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترین خلائق، سگ دنیا، ذرۂ بیمقدار نابکار، ننگ خلائق، وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ مگر یہ سب کارروائی منافقانہ اور ریاکاری کی بنا پر ہوتی ہے قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ ہمچومن دیگرے نیست اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی اُن کی نکتہ چینی غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہمکو جاہل، نالایق، احمق، گدہا، کتا، سوّر وغیرہ کہدیتا ہے تو آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کمترین خلائق کہنے میں سچے ہیں تو گدہا، کتا وغیرہ کہنے سے کیوں برا مانتے ہیں آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہے۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنا لیا تھا کہ صادقین کے زمرۂ شریفہ میں داخل ہو کر منصب عظیم حاصل کر لیا تھا اُن کی یہ فروتنی کسر نفسی حالی تھی قالی نہ تھی۔ اُن کا قلب اسی بات کو دیکھتا تھا جس کو اُن کی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک ادنیٰ درجہ کا انسان دیکھتے تھے مجکو اس وقت مولانا عبدالصمد مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ "غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گذرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں" جن لوگوں نے مولانا کے احوال اور اُن کی لائف پر تھوڑی سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اسکو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے۔ وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل دیکھتے اور ایسا ہی اُس سے معاملہ کرتے تھے یہ حالت اُن کی طبیعت بن گئی تھی جس میں ذرا بھی تکلف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہل منصب نہ تھے اہل مال نہ تھے اہل علم نہ تھے بلکہ عوام الناس میں سے تھے مگر قلوب میں اُن کے ایمان تھا دماغ میں اُن کے انکساری تھی سینہ میں اُن کے اسلام کا روشن چراغ تھا۔ اُن کے جگر میں سادگی اور مذہبی درد تھا اسلئے مولانا مرحوم کو اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحاب منصب و دولت کیساتھ بسر کرنے اور کروڑوں سامان راحت جسمانی سے زیادہ مرغوب

اور پسند تھا یہاں پر روحانی راحت تھی۔ یہاں پر کوئی تکلف کی حاجت نہ تھی۔ یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی ان لوگوں کو جو نصیحت کی جاتی تھی دل وجان سے قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی کی کوشش کرتے تھے اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہم کو کوئی خدا اور رسول کا حکم اور فرمان معلوم ہو جائے کہ ایمان تازہ ہو پھر اس کیمپ میں اگرچہ نیچے کے درجہ والوں میں رہنا ہوتا تھا مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ کیمپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا۔ ہر چیز ہم نہایت آزادی سے اسلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے۔

مولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم کیا کہ جن چیزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اسکو لکھو۔ اسلیئے ہم نے اگلے دن ایک مفصل عرضی لکھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹہ نہایت سرد جگہ ہے جس طرح اہل یورپ کو وسط افریقہ کی گرمی ستاتی اور امراض پیدا کرتی ہے اسی طرح ہم لوگوں کو ان سرد ملکوں کی آب و ہوا مناسب نہیں ہوتی۔ میں (مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں ہمیشہ وطن میں باوجود گرم ملک ہونیکے سردی سے مجکو بہت زیادہ ضرر پہنچا تھا اسلیئے میں مالٹہ کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ مجکو اپنی اور اپنے رفقاء کی نسبت یہی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا سامنا نہ ہو جائے۔ اسلیئے ضروری ہے کہ جب کہ میں کسی قسم کا واقع میں مجرم نہیں ہوں تو جلد آزاد کر دیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو جائے کہ مجکو اسارت ہی میں رکھا جائے مگر اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل کر دیا جاؤں۔ اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو ضرور کر دیا جائے کہ مصر کے اُن شہروں میں مجکو رکھا جائے جہاں پر سردی زیادہ نہیں ہوتی تاکہ اسلامی شہر اور گرم ملک ہونے کی بناء پر مجکو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو۔ مجکو اور میرے رفقاء کو کھانے کی سخت تکلیف ہے۔ ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جس پر طبی حیثیت سے بھی مدار زندگانی شمار کیا جاتا ہی مگر موجودہ گوشت ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ مالٹہ میں اگرچہ زندہ حیوان منگانے کی ہمکو اجازت دیدی گئی ہے مگر وہ اس قدر گراں ہے کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف کرنے میں بھی اکثر خرچ ہو گیا۔ علاوہ اسکے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور عادت کیموافق جس پر ہمارا نشو ونما ہوا ہے۔ یہاں میسر نہیں ہوتیں۔ لباس جو اسراء کو ملتا ہے اُس سے بھی ہم نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ کیونکہ وہ ہماری وضع کے بالکل مخالف ہے ہم نے ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے فقط دو تین چیزیں ضروری لی ہیں اب تک ہم اپنا لباس جو ہمارے ساتھ تھا استعمال کرتے رہے مگر وہ اب پرانا ہو گیا ہے۔ اسلیئے اُسکا انتظام ہونا چاہیے

ہمکو اس مکان سے بدلکر دوسرے کیمپ میں جانے کی ہرگز خواہش نہیں مگر البتہ ہمکو جو تکالیف ہیں ان کا دفعیہ کر دیا جائے یعنی پیشاب وغیرہ کیلئے کوئی قریب جگہ ہمکو بالفعل بنوادی جائے اور ہماری آزادی یا انتقال مکانی کے لئے بہت جلد کوئی صورت پیدا کر دی جائے۔ اس عرضی کو عربی اور انگریزی میں لکھوا کر کمانڈر کے پاس بھیجدیا گیا۔ اس سے دو ہی ایک دن پہلے یہ بھی واقعہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلاکر مولانا سے اُن کی صحت وغیرہ کی نسبت پوچھا تھا اور کہا تھا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپکی صحت کی تحقیقات کرکے میں اسکو اطلاع دوں اُس سے بھی یہ ہی امور کہدئے گئے تھے۔

اس عرضی کے بعد فقط اتنا معاملہ ضرور ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگ اور ذرا اچھا گدہ مولانا کے لئے آیا اور ایک کوٹھری میں جس کا میں نشان پہلے دیچکا ہوں پیشاب کیلئے بالٹی اور چوکی رکھوادی گئی جسمیں شب کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ہمراہ پیشاب کرتے تھے۔ باقی امور کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ کی گئی۔

مسٹر برن کی آمد

اس واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد اواخر جنوری یا ابتدائے فروری ۱۹۱۸ء میں ایک روز ہم سب صبح کو آفس میں بلائے گئے ہمکو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر میں ایک طرف کرسیوں پر بٹھلا دیئے گئے کچھ عرصہ کے بعد کمانڈر اور اسکے ساتھ ایک بڈھا انگریز دونوں آئے اور مولانا اور ہم سبھوں سے ہاتھ ملاکر بیٹھ گئے۔ اس بڈھے نے اردو میں باتیں کرنی اور مزاج پرسی وغیرہ شروع کر دی مولوی عزیر گل صاحب نے خیال کیا کہ یہ سنسر ہے اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہے۔ اس نے جب خطوط اور پارسلوں کی نسبت سوال کیا تو اونہوں نے نہایت بے رخی سے کہا کہ آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں دیکھ لیجیے اور اسی طرح اور بھی کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کیں اس نے کہا کہ آپ عزیر گل ہیں اُن کو اس واقفیت پر تعجب بھی ہوا اور پھر غالباً اُن کے مسکن شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اس وقت ان کا تعجب کچھ زیادہ ہوا اُس نے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر باتیں کرکے مرخصت کر دیا مگر حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو روک لیا اور دوسرے کمرہ میں لیجا کر اُن سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور کچھ بیان قلمبند کیا اسکا بہنوئی ضلع فتحپور ہسوہ میں کلکٹر تھا۔ اسلیے حکیم صاحب موصوف اسکے بہنوئی سے بوجہ زمینداری واقفیت بھی رکھتے تھے۔ اسکو بھی تقریب کا موقعہ اسی وجہ سے ملا اس نے اونہیں باتوں کے متعلق پوچھا جن کا ذکر مصر کے اظہار میں آیا تھا۔ مگر اختصار کے ساتھ البتہ حکیم صاحب سے انکے ضلع اور زمینداری اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عہدہ کے متعلق

بیان کیا اور یہ کہ وہ بالفعل گورنر یوپی سر مسٹن کا سکرٹری ہے کچھ عرصہ کی رخصت لیکر انگلستان کو جارہا ہے
جب حکیم صاحب وہاں سے واپس ہوئے تب حقیقت کی اطلاع ہوئی شام کو دو بجے کے بعد مولانا مرحوم کو بلایا
اور انہیں معمولی باتوں کی نسبت پوچھا جن کا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا مولانا نے اسی قسم کے جواب دیئے
البتہ نئی بات اُس نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام
مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے
مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اس نے تعجب سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے مولانا نے
فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اُس کے درجات ہیں جن کے
احکام جدا جدا ہیں۔ ایک معنی کی حیثیت سے اُس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار
سے نہیں کہہ سکتے اس نے اُس کی تفصیل پوچھی۔ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب اُس ملک کو کہتے ہیں جس
میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اُس نے کہا کہ یہ بات تو
ہندوستان میں موجود ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے۔ اُس نے کہا
کہ دوسرے معنی کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شعائر اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے
کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دارالحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہوتی ہے داگر استطاعت اصلاح
نہ ہو) اس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جس نے دارالحرب
کہنے سے احتراز کیا غالباً اُس نے اسی کا خیال کیا ہے۔ وہ چپکا ہو گیا اور لکھ لیا۔ علاوہ اُس کے اس نے
وہاں (مالٹہ) کی کیفیت وغیرہ دریافت کی۔ مولانا نے وہاں کی سردی وغیرہ کا ذکر فرمایا اُس نے مزاجی
حالت دریافت کی اور یہ کہ یہاں کی آب و ہوا سے آپ کی صحت پر کیسا اثر ہے۔ اسکی نسبت بھی مولانا
نے مختصر کیفیت تخالف ہوا و موسم اور اپنی سن رسیدگی اور ضعیف العمری کی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ
اگر مجھکو قید رکھنا ہے یا نظر بند رکھنا ہے تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیوبند میں رکھ کر جس قدر چاہو مجھ پر
ہوکی پہرے مقرر کر دو یا وہاں ہی کسی دوسرے مقام پر نظر بند کر دو مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبی اور میری
صحت کی حیثیت سے کسی طرح موزوں نہیں۔ اُس نے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔
اسی طرح روزانہ صبح و شام اور دوسروں کے بیانات لئے ہیں (کاتب الحروف) نے حسب عادت اس
بیان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملائے اور پھر مالٹہ کی غذاؤں اور سامان رسد اور آب وہوا

موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ ہمکو تقریباً ڈیڑھ ہزار یا سوا ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے۔ ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آگیا ہے۔ ہم ہر چند کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا وغیرہ سے ہمکو یہاں سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں بھیجکر اس قدر تو ظالمانہ سلوک کر ہی رکھا ہے۔ اور پھر بھی ہماری ضروریات اور صحت طبعی کی طرف ادنی درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی۔ ہمارے ساتھ مصری قید ہیں گورنمنٹ مصر ان کے اہل وعیال کے لئے دس دس بارہ بارہ پونڈ اور بعضوں کے لئے اس سے زیادہ ماہوار خرچ دیتی ہے اُن میں سے بہتوں کے لئے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے۔ میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اڈریانوپل میں نظر بند ہیں مگر اُن کو چھ چھ پونڈ ماہوار ٹرکی حکومت دے رہی ہے ان کو قلعہ میں رکھ رکھا ہے دن بھر تمام شہر اور ملحقات شہر میں پھرنے کی اجازت ہے فقط شہر سے دوسری جگہ سفر کرنے کی اجازت نہیں اہل وعیال کی بھی اجازت ہے اور جب سے اہل وعیال اُن کے پاس آگئے ہیں۔ جب سے ہر ایک عورت اور بچے کی بھی اسی حساب سے تنخواہ مقرر ہوگئی ہے اس نے اسکی تصدیق سے انکار کیا میں بھائی صاحب کے خط کو جو کہ اڈریانوپل سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا، لیگیا تھا اسکو جیب سے نکالکر دکھلانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے وہ اس خط میں عربی میں یہ صاف لکھا ہوا ہے اس نے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ اونہوں نے اپنے افیسر کے اثر سے یہ لکھدیا ہوگا حقیقت یہ ہے کہ بقول شاعر اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونہ (جب آدمی کے اعمال بد ہوتے ہیں تو اس کے خیالات دوسروں کے ساتھ بھی ویسے ہی بُرے ہوتے ہیں) برٹش گورنمنٹ اپنے ہی جیسا سبھوں کو سمجھتی ہے کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دے سکتے ہمارے اسیروں کے ساتھ ایسا اور ایسا برتاو اونہوں نے کر رکھا ہے اور اس قدر آدمی وہاں مر گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپ کو پہنچی ہے۔ یہاں پر خطوط وہاں سے لوگوں کے آرہے ہیں ٹائمز میں لنڈن سے انگریزی اسراء کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپکر آچکے ہیں وہ نہایت شکریہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاسی اسراء تو درکنار جنگی اسراء کا بھی کانٹے دار تاروں میں قید کر کے نہیں رکھے گئے۔

ٹرکی میں اسراء کی حالت

در حقیقت بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسراء کی رعایت اور آزادی تھی۔ انگریزی حکومت نے اس کا آدھا تہائی بھی نہیں کیا۔ بلکہ ابتدائے جنگ میں تو برطانیہ نے ٹرکی اسیروں کیساتھ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے

گئے تھے۔ نہایت برا سلوک کیا افسروں اور بڑے رتبہ والوں کے ساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا۔ مگر جب دیرہ، دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور اُن کے بھی اسیر پکڑے گئے۔ اُس وقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوق اسارت کا خیال ہوا۔ پہلے تو جب اسیر افسروں نے اپنے حقوق کا حسب قوانین دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دو چار دن کی ہے۔ ہم اگر تم پر خرچ کریں تو کس سے وصول کریں گے جو اسرائے عراق ہندوستان سے مالٹہ آئے تھے اُن سے جملہ احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے میری خود اُن لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کہ ٹرکی کے یہاں اسیر تھے۔ پھر اُن افسروں سے ملاقات ہوئی جن کے زیر تحویل اسرائے انگریزی تھے۔ اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سننے میں آئی۔ بعضے انگریز اسرا جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور اُن کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کیواسطے اسارتگاہ میں آئے تھے۔ اونہوں نے اپنے اور دیگر اسرا کے معاملات نہایت شکریہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کئے تھے۔ یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا۔ ایام جنگ میں اسیر ہوگیا تھا۔ اس نے مالٹا کے اسرا کی حالت دیکھکر ٹرکی کے اسرا کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ٹرکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسرا سے وہ معاملات بھی نہ کئے جو بین الدول ہمیشہ سے مقرر کرتے چلے آئے تھے۔

یوروپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنے پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے بسا اوقات انسانیت اور حقوق وعدالت کی ایسی کارروائیاں تراشتا ہے جن کا کبھی وہم وخیال بھی نہ ہوتا تھا۔ اُن کو فوق القانون قرار دیکر کمزور حکومت سے عملدرآمد کراتا ہے اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہجاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی بلاوجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع واقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یوروپ کا واقعی تمدن، اصلی تہذیب، حقیقی قانون، نفس الامری عدل، فقط قوت ہے اُس کا اصلی مذہب "جس کی لاٹھی اوس کی بھینس" ہے جو قوم غیر یوروپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہے تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہے اسکے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمال بد کو

قاعدہ عدل و انصاف میں خلل کر دیتا ہے۔ اُس کے یہاں خلف وعدہ اور نقض عہود کوئی عیب نہیں بلکہ کمال ہے اس کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار زیادہ فریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے وہی زیادہ پالیٹکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے اُس کا اصل اصول ہے کہ دوسری اقوام کی مبادی زندگی، لوازمات حیات، اسباب خوشحالی و وجوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان کرا دینا اور اس مقصود کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت سمجھتا ہے دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا اُلّو سیدھا ہونا ضروری ہے۔ اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر اُن کو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر ستے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں اُسکی چھین کھسوٹ غربا اور کمزور طبقہ پر اغنیاء اور ذی ثروت طبقہ سے زیادہ ہے اُس کی بھینٹوں پر چڑھنے والے دو چار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افراد ملک کو اسکے ہر مقصد پر نثار ہونا ضروری ہے وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اسکو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہو جانے کے بعد طوطا چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اہل سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا اور شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا اُن کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا۔ اُن کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامان راحت ایام اسارت میں بہم نہ پہونچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول کے مطابق کسی طرح جائز نہ تھا۔ ٹرکی نے حسب قوانین دول و لوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دیئے مگر بدنصیب ٹرکی ایشیائی تھا۔ یورپین نہ تھا مسلم تھا مسیحی نہ تھا۔ کمزور تھا قوی نہ تھا۔ اس کی بھلائیاں بھی برائیاں ہو گئیں اُس کی مراعاتیں بھی مظالم ہو گئیں۔ اس نے دوسری دول کے اسراء کے ساتھ وہ معاملات کیے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ نہ کئے تھے۔ مگر وہ خطادار نکلا۔ برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب بھلا کا بھلا ہی رہا۔ مصر میں ٹرکی فوجیوں کے ساتھ جو جو کارروائیاں کی گئیں ہیں جن کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اُن کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پھر بالخصوص ارمنی ڈاکٹر ان پر رکھے جاتے تھے جن کو اگر تو پہلے سے ٹرکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے۔ اُن کی ہر طرح امداد کی جاتی تھی۔ پھر کچھ نہ پوچھئے کہ اونہوں نے ٹرکی بے زبان سیدھے سادھے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل وعلا کے حلم

اور استغنا پر تعجب ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی۔ آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔ یہ قطعہ یوروپ کا کس طرح زمین پر قائم ہے۔ یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سر چڑھے رہیں گے اور کب تک مخلوقات خداوندی کا خون انکی تیز و سخت کچلیوں کا شکار بنتا رہیگا۔ اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن۔ اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کر۔ اے خدا ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دشمنوں کا نام و نشان روئے زمین سے اسی طرح مٹا وے جس طرح تو نے فرعون ہامان قارون نمرود شداد کا نام و نشان گم کردیا۔ آمین یارب العالمین۔

میں نے مسٹر برن سے ہندوستان کے سیاسی اسیران کا حال بھی ذکر کیا کہ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ اُن کی دو دو سو اور تین تین سو ماہوار سے خبر گیری کرتی ہے۔ اُس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا۔ اُس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر نہ فرمائیں حکیم عبدالرزاق صاحب اُن کو پچاس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لئے بھی قانوناً یہ فریضہ گورنمنٹ کا تھا چنانچہ حکومت مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات اُس نے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلیمنٹ میں پیش کروں گا۔ میں کچھ صورت آپ لوگوں کے لئے نہیں کر سکتا۔ پھر مولوی عزیز گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے جیدی اخبار میں وغیرہ پوچھیں مگر اونہوں نے حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا۔ اس نے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا۔ اونہوں نے جواب دیا کہ آپ مجکو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اُس نے کہا کہ ہاں۔ کہا کہ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کئے ہوئے اور اُس کے تمام حصوں کو مانے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ اونہوں نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنے کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں

حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت

سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اُس نے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا۔ اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تم پر کوئی الزام نہیں پاتا اور تمکو چھوڑ سکتا ہوں۔ ہندوستان آپ ابھی جا سکتے ہیں۔ اسی کے قریب ان سے بہاؤالدین انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا۔ مگر اونہوں نے اس وقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی۔ یہ کہا کہ آپ کو ہم سبھوں کو

چھوڑنا چاہیئے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر تمہارا امر میرے اختیار میں ہے۔ اونھوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑکر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجکو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں سے لوٹ کر جب آئے اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبھوں نے بہت انکو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان اکیلے جانے پر راضی ہو جائیے اور چلے جائیے مگر اونھوں نے ایک بھی نہ مانی۔ مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جاکر ہماری خلاصی کی کوششیں کر سکتے ہیں مگر یہاں تو ہماری طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر اُن کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا۔ اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے ان کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب وہوا کی درخواست دیدو اونھوں نے جواب دیا کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ خداوند کریم اُن کی مغفرت فرمائے نہایت مستقیم اور ایماندار شخص تھے۔

نقد کا بجائے رسد مقرر ہونا

مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ اہا شلنگ اور مولانا مرحوم کو تین شلنگ دیا جایا کرے اور علاوہ اسکے روٹی (ہمارے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم روٹی نہیں پکا سکتے گورنمنٹ کی روٹی لیں گے) کوئلہ، شمع، صابون، حسب عادت سابقہ ملنے کا حکم جاری کردیا اور یہ کہا کہ ماہوار ان سے قبض الوصول پر دستخط کرا کر ہندوستان بھیجدیا کرو وہاں سے آتا رہیگا۔ کپڑوں کے واسطے بھی اُس نے کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کرو مگر چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے۔ مولوی عزیر گل صاحب نے اُن کو واپس کر دیا۔ اسکے کچھ عرصہ کے بعد اول سے کچھ بڑھیا نمونے آئے۔ اُس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور اس سے ہر ایک کے لئے ایک پاجامہ ایک صدری ایک اچکن یا لانبا کوٹ بنوا دیا گیا۔ مگر آخر میں مولانا مرحوم کے لئے کپڑا کافی نہ ہوا۔ کیونکہ درزی نے جو تخمینہ کر کے بتایا تھا وہ قطع کرنے کے بعد نا کافی معلوم ہوا جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امروز فردا میں بالکل ٹال دیا۔ اُس کے بعد آخر تک پھر نہ گرمیوں کا نہ جاڑوں کا کپڑا ملا گیا۔ البتہ جو کپڑے معمولی تھے، اُن میں سے تولیہ پیروں کے بنیائن۔ کرتہ، رومال، موزے، سلیپر ہم لیتے رہے مگر کوٹ پتلون وغیرہ مثل سابق ہم رد کرتے رہے۔ مسٹر برن نے سردی کی شکایت کی بنا پر جاڑوں کے لئے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرادی جس سے ہم اپنے کمرہ کو روزانہ گرم کر سکتے تھے۔ اخیر میں

وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لئے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا۔ اور مولانا سے نہایت ادب
اور تپاک سے پیش آکر مصافحہ کیا۔ اسوقت مولانا ترجمۂ قرآن لکھ رہے تھے۔ اسکو دیکھا۔ پھر میز پر
جتنی کتابیں رکھی ہوئی تھیں اُن کو دیکھا۔ اُن کے نام پوچھتا رہا۔ اُن کے فنوں سے بھی واقفیت حاصل
کی۔ اُسکے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤں گا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے لئے ایسا اور ایسا انتظام کر
دیا ہے اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا۔ فارسی اچھی جانتا تھا۔ کانوں میں اُس کے ثقل تھا باتیں نلکی لگا کر یا زور
سے سنتا تھا۔ اگلے روز کمانڈر نے مولانا مرحوم کو مع رفقاء کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برٹن نے آپ کے حق میں
خاص طور سے ہمکو فہمائشیں کی ہیں اسلئے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپ کیلئے اب سے نقد مقرر ہوگا۔
اور آپ کی خاص خاص حاجتیں کی جائینگی۔ جب کبھی کوئی ضرورت ہو آپ ہمکو اطلاع دیتے رہیں۔
اُس وقت سے ہماری رسد بالکل بند ہو گئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء روز چہار شنبہ
سے نقد ملنے لگا۔ اُس روز سے ہمکو اپنے مصاریف میں آسانی ہو گئی۔ یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالٹہ کی گرانی
کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی مگر پہلی سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی۔ اُس وقت ہمارے
پاس تقریباً ۲۷ پونڈ باقی تھے مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ میں سے کچھ
بچے اسکو صرف کرو اور بہ نسبت پہلے کے توسیع برتو۔ تمہاری حسن انتظامی میں اسمیں نہیں سمجھتا کہ اسمیں
سے بچاؤ ہاں یہ ضرور حسن انتظام میں شمار کرونگا کہ اصلی سرمایہ یعنی ۲۷ پونڈ تم محفوظ رکھو کہ آئندہ کسی ضرورت
کے وقت کام میں آئے اس پر توسیع کے متعلق رفقاء نے اس قدر پیر پھیلانا چاہا کہ اس مقدار میں بھی
پورا اُٹھنا مشکل ہو گیا۔ ادھر اس کی خبر ہندوستان لکھی گئی۔ مگر اسی کے ساتھ غالباً وحید نے یا میں نے
لکھدیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت ہی زیادہ مشکلات سے رہائی کی سبب بن گئی ہے مگر مالٹہ کی گرانی سخت
در سخت ہے ایک انڈا ان دنوں ۸/ اور ایک مرغی چھ روپے کو اور اسی طرح دیگر اشیا ہیں۔ اسکی
بنا پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ نے غالباً گورنر یوپی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار
مولانا کے لئے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹہ کی گرانی کی وجہ سے کافی نہیں ہے۔ اسلئے یا تو تم خود اُن کے لئے کافی
مقدار بھیجواؤ یا ہمکو اجازت دو اور انتظام کر دو ہم یہاں سے نقد روانہ کر دیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ تم
فکر مت کرو ہم خود انتظام کریں گے۔ وہاں سے حکم مالٹہ میں زیادتی کا پہونچا۔ آفسر نے مولانا اور کاتب
الحروف کو طلب کیا اور مصاریف کی قلت کی نسبت دریافت کیا۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے

کہ انسان کا مدارِ زندگانی گوشت پر ہے جس کو اہل یورپ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم یہاں کی گرانی کی وجہ سے
بہت زیادہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھا سکتے ہیں۔ گھی یہاں ملتا نہیں بجائے
اسکے زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا ہے اس کی بھی ایک بوتل چھ شلنگ (دلیعہ) میں آتی ہے جو کہ بمشکل تمام
ہم کو دو دن کافی ہوتی ہے اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں خرچ ہو جاتی ہے شکر اار پونڈ ہی
اسی طرح جملہ اشیاء کی حالت ہے اس نے اُس وقت سے فی کس دو شلنگ یومیہ اور مولانا کے لئے ہم
چار شلنگ یومیہ کر دیے (واضح ہو کہ شلنگ ۱۲ ار کا ہوتا ہے)

مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط

مسٹر برن کے جانے کے تقریباً ایک ماہ یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے
جن میں حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مرحوم، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا
حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور دیگر اعزہ اور احباب کے خطوط تھے سب نے بتاکید لکھا تھا
کہ مسٹر برن چیف سکریٹری مسٹن گورنر یو۔پی جاتے ہیں ہم آپ سے خواہشمند ہیں کہ آپ ان کی پیش
کردہ شروط کو قبول فرما کر بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں۔ ہرگز ان کے مطالیب کو رد نہ فرمائیں۔ ہماری
استدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے اس قسم کی باتیں اور یہی مضمون سب میں تھا اس وقت
حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب اشارہ احباب نے ایک وفد علماء
کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لئے پیش کیا تھا جس کی وجہ سے مسٹر موصوف مالٹہ میں اُترے
ہیں اور ان خطوط کو بھی لائے ہیں مگر غالباً کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دینا مستحسن نہ سمجھا
گیا بلکہ وہاں پہنچنے پر بھیجد یا گیا۔

اس کے بعد بعض امور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں مثلاً ایک زمانہ میں شکر بازار میں نہیں
تھی۔ اس لئے تمام اسرار کو سخت تکلیف ہو گئی تھی۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اُس نے خاص طور سے انتظام
کر دیا جس کی بنا پر بقیمت وقت ہم کو شکر مل جاتی تھی۔ اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لئے دوسرے کیمپوں میں
جانے کی بھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہو گئی جس کو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

مولوی عزیز گل صاحب کا اشتغال

مولوی عزیز گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے

اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے۔ اُونہوں نے زبان ترکی کے سیکھنے
کی طرف بھی توجہ کی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں بحمد اللہ اچھی خاصی ترکی بولنے لگے۔ اُس کے بعد انگریزی
زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر سوء بخت یا خوش نصیبی نے اُس میں دستگیری نہ کی۔ ان کو حسب خواہش
کوئی استاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلال بھی اس فن کے کمال سے مانع ہوئی۔ قرآن شریف کیطرف
توجہ بہت کی مگر ضعف حافظہ اور عدم استقلال طبع سدّ راہ ہوتا رہا۔ موصوف کو اس کا شوق بہت ہے
یاد بھی جلد کر لیتے ہیں مگر بھول بھی جلد جاتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی
اور بہت بے تکلفی سے ان سے ملتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کیساتھ عمل میں نہیں آئی

وحید کا اشتغال

اُس نے ابتدا ہی سے اجنبی زبانوں کی طرف توجہ کی اور اولاً فرانسیسی پھر جرمنی زبان کو سیکھا پھر جب دیکھا
کہ پانسہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں
اس سفر میں اس نے مولانا سے پڑھیں مگر بدقسمتی سے نہایت بے اعتنائی اور کم محنتی سے پڑھا گیا۔

کاتب الحروف کا اشتغال

مجھکو طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ
ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی۔ مدینہ منورہ میں بڑی بڑی مشکلوں سے سورۂ بقرہ اور
آل عمران کئی دفعہ یاد کی مگر سنبھال نہ سکا بھول بھول گیا جب طائف پہونچا پھر اُس کو دہرایا اور سورہ
نساء، مائدہ، انعام یاد کر لیں۔ مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا پھر بھول گیا۔ کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ
آگے بڑھتا یا انہیں کی حفاظت کرتا۔ مالٹہ پہونچکر پھر از سر نو شروع کیا۔ چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ
میں خرچ ہو گئے اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاول سے اواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے۔
چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد دو ڈھائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا اس لئے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔
رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سُنانا چاہئے چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد (جو کہ الم ترکیف
سے ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے)
نوافل میں سُنا کرتے تھے۔ رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا۔ مگر اس مدت میں مدینہ منورہ
کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور حالہ کنبہ والوں کے رنجدہ واقعات نے تشویشیں بہت پیدا

کیں۔ تاہم فضل وکرمِ خداوندی سے ماہ صفر تک پورا قرآن ختم ہوگیا اور پھر روزانہ دور کرکے محفوظ رکھا
اور رمضان شریف میں مولانا مرحوم نے سن لیا۔ قرآن شریف یاد کرلینے کے بعد مجکو بھی ترکی زبان کیطرف
توجہ ہوئی۔ کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی۔ آہستہ آہستہ کچھ اس میں شدبد ہوگئی۔ مالٹہ میں داخل ہونے
کے وقت بلکہ اسیر ہونے کے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں۔ ترکی زبان سیکھنا۔ قرآن شریف
حفظ کرنا۔ باطنی اشغال میں ترقی کرنا۔ خدا کے فضل وکرم سے دو اول کی تو ایک درجہ تک حاصل ہوگئیں
اور تیسرا مقصد باوجود صحبتِ شیخ کامل اور فراغِ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا۔ ع

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ﴿ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مگر تاہم مجکو افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ امیدیں ہیں
کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ارشاد قرآنی ہے۔ اہل اللہ کی عنایت وتوجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری
فرمائیگی۔ اولٓئک قوم لا یشقی جلیسھم۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا اشتغال

حکیم صاحب ممدوح نہایت سلیم الطبع ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے۔ اونھوں نے علم حدیث وغیرہ دیوبند
میں پڑھا تھا۔ باقی کتابیں لاہور کانپور دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں دیوبند سے تکمیل کے بعد لکھنؤ وغیرہ میں طب
کی تکمیل کی۔ جلسہ دستاربندی دیوبند میں ان کی دستاربندی ہوئی۔ مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں
شریک تھے اُسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے۔ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے
گھر جاکر زمینداری کے انتظامات اور مطب میں مشغول رہے اُسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھلی مگر
مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے۔ تقوی طبیعت میں ابتدا ہی
سے تھا۔ اس لئے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا فضولیات
کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی سیاسی امور
میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دُھن لگی رہتی تھی۔ نہایت معزز خاندان
کے نونہال تھے۔ کوڑا جہان آباد (ضلع فتحپور ہسوہ) ان کا آبائی وطن ہے ان کے بعض احوال پہلے
گذر چکے ہیں جب یہ نظر بند ہوگئے تو ان کو جلد ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہیئے بلکہ
سلوک طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اونھوں نے مولانا مرحوم سے اس کی درخواست کی

مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا چنانچہ اونہوں نے نہایت پابندی سے جملہ امور تعلیم کردہ مولانا مرحوم
پر عمل کرنا شروع کیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا
کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ اپنے کام میں مشغول رہتے اور اپنی جملہ کیفیات مولانا مرحوم سے ذکر فرمایا کرتے
تھے۔ بعد مولانا مرحوم کے ہماری جماعت میں کوئی بھی باوقات شب خیز تہجد گذار ان سے زیادہ نہ تھا بلکہ
تمام اسیران مالٹہ میں بھی کوئی ایسا نہ تھا۔ مولانا کی نظر عنایت بھی اُن پر بہت تھی۔ اُن کو ضعف معدہ
کی شکایت بھی تھی اور ہمیشہ تھوڑے تھوڑے بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ اپنے اوقات قرآن شریف،
دلائل الخیرات، ذکر، مراقبہ وغیرہ میں صرف کرتے تھے۔ ڈاکٹر غلام محمد کے چلے جانے کے بعد ایک مدت
تک شام کا کھانا بھی پکاتے تھے اور خود اپنی خواہش اور اصرار سے اس کا ذمہ لیا تھا۔ میں نے کوئی زور انپر
نہ ڈالا تھا۔ اور نہ ڈاکٹر غلام محمد پر۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میں نے ان سے یہ کام لے لیا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ
عرصے کے بعد مالٹہ میں خوب سنبھل گئی تھی اور جو شکایتیں ان کو ضعف معدہ اور بخار وغیرہ کی تھیں جاتی رہی تھیں
مگر ماہ رجب ۱۳۳۶ھ سے ان کو پھر تپ لرزہ کے دورے شروع ہوئے خیال کیا گیا کہ معمولی جیسے ہمیشہ ان
کو اس قسم کے دورے ہوا کرتے تھے ویسے ہی ہیں۔ نہ اونہوں نے کوئی فکر کی اور نہ دوسرے لوگوں نے یہی
حال تمام شعبان رہا۔ رمضان آئے پر اونہوں نے روزے بھی رکھے اور اخیر شعبان میں بعض مسہلات بھی
استعمال کیے۔ کونین بھی استعمال کی مگر فائدہ نہ ہوا۔ اواخر رمضان میں بمجبوری ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا
گیا۔ ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں جن کو حکیم صاحب بوجہ رمضان شریف دن کو استعمال نہ فرماتے
تھے بلکہ شب کو استعمال کرتے تھے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ ان کو ہسپتال
جانا چاہیے ہم نے زور دیا کہ ان کی دوا یہیں کی جاوے۔ مگر اس نے کہا کہ یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہو سکتا۔
اب تک کیا گیا مگر کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔ وہاں جانا ضروری ہے ہم نے جب دیکھا کہ یہ صورت نافع نہیں ہے
تو درخواست کی کہ اچھا ہم میں سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور یہ ضروری امر ہے اسکی اجازت
ہونا چاہیے اس نے کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ خلاف قاعدہ ہے اور پھر ایک کے ساتھ گیا دوسرا بھی مریض ہوگا
الغرض ان کو وہاں پہنچا دیا ہم نے آفس میں اسکے متعلق درخواست کی کہ یا تو ہم میں سے ایک آدمی کو وہاں رہنے
کی اجازت دیجائے ورنہ کم از کم روزانہ ہم کو ان سے ملنے اور اُن کی خبر گیری کرنے کی اجازت دیجائے اونہوں
نے اول بات کی تو اجازت نہ دی مگر یہ کہا کہ ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے ہو چنانچہ اس

حکم کے بعد جس کو اُن کی روانگی سے پانچ چھ دن کے بعد ہم حاصل کر سکتے تھے ہم وہاں گئے مگر اُن کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور پائی معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کی ایک بڑی جماعت جس میں بڑے بڑے افیسر ہیں اُن کی مداوات میں مشغول ہے اور بہت توجہ سے کام کر رہے ہیں ۔ جو میم کمپوڈری اور دوسری ضرورتوں کو انجام دیتی تھی وہ اُن پر خاص طور سے مہربان ہے جس کی وجہ ان کا انگریزی جاننا اور برٹش رعیت ہونا ہے۔ کیونکہ اُس تمام ہال میں سب غیر برٹش رعایا بلکہ دشمنانِ برطانیہ تھے اُس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہارے لئے یخنی اور دوسری مقوی دوائیں جن میں شراب کا جوہر پڑا ہے دونگی جس سے تمہاری صحت بہت جلد کامل ہو جائے گی مگر اونہوں نے یخنی اور ایسی مقوی دوائں سے انکار کر دیا کہ ہمارے مذہب میں یہ چیزیں حلال نہیں ۔ اُس نے نہایت افسوس کیا۔ پھر ہمکو وہاں سے حکم آیا کہ تم خود مرغی ذبح کر کے اسکی یخنی بھیجا کرو چنانچہ ہم نے اس کا انتظام کر دیا اور روزانہ بھیجتے رہے ۔ جو لوگ اُس ہال میں بیمار تھے اُن میں بعض مسلمان بھی تھے اور بعض عیسائی تھے مگر اکثر حصہ عیسائیوں کا تھا۔ جن میں سے بعض سے قدرے واقفیت بھی تھی۔ اور اُن میں مادہ انسانیت کا بہت زیادہ تھا۔ اُن کی صحت بھی تقریباً کمال کو پہونچ چکی تھی ۔ اُن لوگوں نے بہت اچھی طرح حکیم صاحب کی خبر گیری کی ۔ حکیم صاحب نے کچھ نقد بھی لیا کہ خدام کو برابر دیتے رہیں گے ۔ تاکہ خبر گیری اور خدمت پوری طرح سے ہو ہم کو کبھی امید ان کی صحت کی بندھ جاتی تھی اور کبھی خوف بھی ہوتا تھا۔ مگر اواخر شوال میں اُن کی حالت زیادہ گرنے لگی ۔ اُس وقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہمکو وہاں رہنے کی اجازت دیجائے اور حکیم صاحب سے بھی طلب کرایا مگر اُس کے جواب آنے پر وہاں سے بہت تاخیر ہوئی غالباً ۔ ذیقعدہ کو اجازت ملی مگر فقط تحریری اجازت تھی ۔ جب ہم نے چلنا تو ایک دو دن کی تاخیر افسروں کے نہ موجود ہونے یا کسی اور عذر سے کرا دی گئی ۔ نویں تاریخ کو جب ہم اجازت لینے گئے تو ہمکو خبر دی گئی کہ اُن کا شب کو صبح کے قریب انتقال ہو گیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس سے تقریباً دو روز پہلے بھی حسب عادت ہم گئے تھے ۔ ان ایام میں اُن کو سانس بہت زور سے اور جلدی جلدی آیا کرتا تھا ۔ ہوا کے لئے برقی پنکھا ان کے آگے رکھا رہتا تھا ۔ وہ اکثر تکیوں کے سہارے پر کمر لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے وفات سے ایکدن پہلے جب ہم گئے تھے تو آواز بہت پست پائی تھی مگر وہ خود اطمینان سے تھے کسی قسم کی گھبراہٹ اُن کو نہ تھی ۔ اُن کا رُخ قبلہ کی طرف ایک عرصہ سے اسوجہ سے کر دیا گیا تھا کہ اُنکو اُٹھنے اور چلنے کی اجازت ڈاکٹروں کی طرف سے نہ تھی اسلئے اُن کو نماز پڑھنا چارپائی ہی پر اشاروں سے

جس کی وجہ سے ہمیشہ چارپائی رو بقبلہ رہتی تھی مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو چارپائی سے اُتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے (واللہ اعلم) اونہوں نے جب جب جانا ہوا تو کہا کہ ذکر میرا جاری ہے اور تعلق خداوند ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

چونکہ مرحوم کا مرض نمونیا تجویز کیا گیا تھا۔ اور وہ امراض متعدیہ میں سے ہے۔ اسلئے کمانڈار اسیران نے مولانا مرحوم کو اور ہم کو بلا کر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش تکدہ قبرستان میں ملیگی۔ لیکن تم فقط دور سے نماز پڑھ لینا۔ تابوت کے پاس بھی مت جانا۔ ہم نے اصرار کیا کہ ہمکو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے اُسنے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ ان کے پاس بھی کوئی نہ جاوے۔ ہم نے کہا کہ ہم کو شریعت کا حکم ہے۔ غرضکہ اس بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کمانڈار سے بہت زیادہ رد و قدح ہوتی رہی جب اُس نے زیادہ رد و قدح کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ کی رد و قدح پر بھی راضی نہوا تو ہمنے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے مگر کفن تو پہنادیں۔ بڑی بڑی مشکلوں سے وہ اس پر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ کو ہمارے مذہبی ضروریات پر ادنی توجہ نہیں تو پھر ہمکو کیوں بلایا تھا وہی جو چاہتے تھے کر دیا ہوتا۔ یہ کہا اور لوٹ جانیکے لئے آمادہ ہو گئے اسوقت اُس نے اجازت دی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم انکو تیمم کرا دینگے اور کفنا بھی دینگے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شفاخانہ میں ان کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر اُن کو نہلائیں۔

خلاصہ یہ کہ ان کے لئے مقبرہ میں جانیکے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی کمانڈار نے اجازت دیدی۔ یہ سب وہاں گئے۔ ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہو سکا تھا۔ اُن کو تیمم کر کے کفنایا گیا اور پھر مولانا مرحوم نے باول غمگین نماز پڑھائی۔ اور دروازہ کے قریب ہی اُن کی قبر کھودی ہوئی تیار تھی۔ اُسی میں دفن کر دئے گئے۔ اُن کے مصاریف جو کچھ وہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دئے ہی تھے مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنیل اشرف بیگ نے جو کئی پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر ہماری اطلاع کے دیدیا۔ اُن کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہی ہے ایک پتھر حسب رائے مولانا مرحوم لگا دیا گیا ہے جس پر ذیل کی

هذا قبر الحکیم السید
نصرت حسین من اهل کوڑا جهان آباد الفاضل القدسی
بالله الملک ... العلامة مولانا الشیخ الفاضل محمود حسن
سیاسی ... الحاج ... اسیر
... ١٣٣٦ ... النبی ... صلی الله
... سلم رحمة الله رحمة واسعة وله
* * *

عبارت کندہ ہے۔ اس پتھر کو کرنیل اشرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لگوایا بھی تھا۔ کیونکہ اُس نے ایک بڑی مقدار نقود کی خرچ کر کے بطور یادگار حلبہ اسرار مدفونین کے لئے پتھر کندہ کرائے تھے۔ اور بیچ میں ایک مربعہ ستون پتھر کا جس میں سنگ مرمر پر حلبہ آن ترکی اسرار کا نام کندہ تھا۔ جو کہ ایام اسارت جنگ عمومی میں وہاں مدفون ہوئے کرنیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اسوقت چونکہ ممکن نہیں اس لئے اگر زندگی باقی رہی تو پھر لکھوں گا۔ مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ ضعیف العمر والدہ بجوان بیوی۔ دو لنو عمر بچے اور دیگر رشتہ دار تھے اسلئے طبعی رغبت ضرور تھی اور پھر وہاں اسارت اور سفر میں کماحقہٗ خدمت نہیں ہو سکتی تھی۔ مالٹہ میں جو اسرار وفات پا جاتے تھے خصوصاً غیر ممالک کے ان کے سینہ کو چاک کر کے اندرونی اعضاء کو دوا میں رکھا جاتا تھا جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ اگر حکومت مخالفہ دعوی یا شبہ کرے کہ میت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور جگر وغیرہ کی کیفیت سے معلوم ہو سکے (واللہ اعلم) اسلئے ہم نے اولاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک نہ کیا جائے اور اس پر مولوی عزیز گل صاحب نے بہت زور دیا چنانچہ اونہوں نے ایسا ہی کیا۔

اسرار کا چھوڑا جانا

حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے دو تین مہینہ کے بعد سے اسرار کا چھوڑا جانا شروع ہو گیا۔ اوّل اوّل جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر آسٹرین بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی تھوڑی مقدار میں لوگ چھوڑے جاتے تھے۔ تقریباً تین ماہ میں اکثر حصہ اسرار کا روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت سب اسیروں کو مختلف جگہوں اور کیمپوں سے نقل کر کے وردالہ میں رکھا گیا ترکی اور شامی اسرار اس وقت تک نہیں چھوڑے گئے تھے جو لوگ روگیٹ کمپ یا وال فرسٹہ یا سینٹ کلیمیٹ براکس وغیرہ میں تھے سب کے سب یہاں جمع کر دیئے گئے جو لوگ زمانہ التوائے جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے ان کو اس اسارت گاہ سے بہت دور رکھا تھا اور ان قدیمی اسیروں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ انہیں میں شیخ الاسلام خیری آفندی اور احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد اور دوسرے ترکی کے معززہ و اکابر عہدہ دار تھے اسوقت میں ان کو بھی یہیں جمع کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام خیری آفندی کا کمرہ ہمارے کمرے کے قریب تھا۔ اس مرتبہ ہم کو وردالہ میں دوسرے دو سری طبقہ پر نہایت مکلف ملے جس میں سے ایک حضرت مولانا مرحوم کے لئے خاص

کردیا گیا۔ اور اُس میں ایک طرف مولوی عزیز گل صاحب کی چارپائی تھی اور اس میں پردے کے باہر مہمانوں کے لئے میز کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور دوسرے کمرہ میں کھانے پکانے کا جملہ سامان تھا اور اُس میں میں اور وحید احمد رہتے تھے کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا۔ ہمارے رفقاء اہل صید احمد سے ذرا کچھ دور ہوگئے تھے۔ مگر اسی کمپ میں تھے۔ کچھ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ اُن کی روانگی کا بھی وقت آگیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوگئے۔ اسوقت سے ہمکو اپنے کاروبار میں ذرا دقت کا سامنا ہوگیا کیونکہ کوئی شخص کاروبار ضروریہ کا انجام دینے والا نہ رہ گیا تھا مگر مسبب الاسباب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا ہے اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقی ماندہ تُرک اور دوسرے اقوام بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کرگئے۔ جو لوگ کہ التوائے جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے۔ وردالہ کا اکثر حصہ فارغ ہوگیا تو ہمکو تقریباً ڈیڑھ ماہ رہنے کے بعد وردالہ سے بھی وال فرسٹہ میں منتقل کردیا گیا۔ وال فرسٹہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے ہر کمرہ میں چار حصے تھے۔ چوتھے حصے میں نل اور غسل وغیرہ کا سب سامان تھا۔ ایک کمرہ ہم سبھوں کے لئے کافی تھا۔ وہاں سے بھی لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے یہ سب کچھ ہوتا رہا اور تقریباً پانچ یا چھ ماہ اسیروں کو سفر کرتے گذر گئے مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی یہاں تک کہ پُرانے اسیروں میں سے فقط دس بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے پانچ یا چھ اسٹرین یا جرمنی تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اُن کے متعلقین مصر میں تھے۔ حکومت برطانیہ اُن کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی اور اسی طرح پانچ چھ تُرکی افسر تھے جو کہ قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے مل گئے تھے وہ اپنے ملک کو واپس ہونا نہیں چاہتے تھے وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے۔

اسی وال فرسٹہ میں سعید حلیم پاشا سابق صدر اعظم ٹرکی اور اُن کے بھائی عباس حلیم پاشا سابق گورنر بورصہ جرنیل جلال بیگ جرنیل علی احسان پاشا جرنیل فخری پاشا شیخ الاسلام خیر الدین آفندی جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ٹرکی تھے۔ جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی اور مولانا سے ملنے کے لئے یہ حضرات آیا کرتے تھے۔ آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لئے بھی وقت آپہونچا۔

مالٹہ سے روانگی

قاعدہ تھا کہ جب کسی اسیر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اُس کو آٹھ دس دن پہلے خبر دی جاتی تھی کہ

وہ تیار رہے اور جس دن جانا ہوتا تھا یکبارگی اسکو حکم روانگی کا دیدیا جاتا تھا جبکہ ایک مرتبہ حکم دیا گیا ہم تیار ہوئے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ اس آگبوٹ میں بیماری ہے اس لیئے دوسرے آگبوٹ میں جانا ہوگا تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر سوار کرادیئے گئے۔ ہمکو سکنڈ کلاس کے کمرے دیئے گئے اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کی خدمت کے لیئے تھا اس لئے اس میں جملہ کاروبار کرنے والے عموماً افغانی لوگ تھے۔ جو کہ صوبہ فرانٹیر کے تھے۔ ہمارے کھانے کا انتظام انہیں کے سپرد کیا گیا۔ چونکہ مولوی عزیز گل صاحب اس صوبہ کے پیر ہیں۔ ان سے ان لوگوں کی جب پشتو میں بات چیت ہوئی تو وہ ان کے شیدا ہو گئے۔ انہوں نے نہایت اخلاص سے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کیا۔ مگر ان پر افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی ان میں سے نہ ہمارے پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے فقط کھانا وقت پر پیش کردیا کرے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں۔ ان لوگوں کو خراب نہ کردیں۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو مطابق ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۲۰ع صبح کے قریب یہ آگبوٹ اسکندریہ پہنچا۔ وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا مگر قریب شام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے ان کے ساتھ ہم روانہ ہوئے وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کیساتھ لیگئے اسباب کو قلیوں کے سپرد کردیا اور ہمکو ٹریوے میں سوار کر کے گوروں کے فوجی کمپ میں لے گئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کے قید کا جو کمپ تھا اس میں ہمکو داخل کردیا اور ہم پر اسی طرح سخت پہرہ کردیا جیسا کہ ان لوگوں پر تھا۔ شام کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا انہوں نے ہمکو دیا اور ایک خیمہ میں جس میں نہ گدا تھا نہ بچھونا نہ چارپائی تھی نہ روشنی فقط کمبل دے کر پڑ رہنے کو کہدیا۔ اسباب قریب عشاء کے پہونچا۔ اس کو بھی انہوں نے اندر داخل نہ ہونے دیا۔ دروازہ پر باہر ہی رہا۔ اس شب کو ہم کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ معاملہ گذرا تھا بیان کیا اس نے بہت عذر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کر کے کہا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مجکو بالکل اطلاع نہ تھی۔ الحاصل اس نے اسی وقت اپنے بڑے آفس میں جا کر گفت و شنید کر کے سیدی بشر میں جو کہ مصر میں قرارگاہ اسرا تھا بھجوادیا۔ ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوایا گیا مگر ہمکو پیدل بھجوایا۔ جگہ نہایت دور تھی چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہوگئے۔ چونکہ عرصہ دراز سے قید میں تھے۔ اس لئے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی اور پھر مولانا کو بھی مشکل تھی۔ سپاہی بندوق لیئے ہوئے ہمارے ساتھ تھے۔ بالآخر کار ہم ۲۶ جمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہونچے۔ ہم کو اسی وقت قرارگاہ کے اس کمپ میں داخل کردیا گیا جسمیں فرنطینہ نے

اسیرِ دل کا ہوا کرتا تھا۔ اس میں تین خیمے نصب کر دیئے گئے اور چارپائیاں گدّے وغیرہ جملہ ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ داخل ہوتے وقت سب کی تلاشی لی گئی مولوی عزیر گل صاحب غفلت کی حالت میں آرہے تھے اُن کے پاس (۲۷) پونڈ تھے اُن کو لیلیا گیا اور رسید دیدی گئی۔

سیدی بشر میں اُس وقت ترکی اسرار کی بہت بڑی مقدار موجود تھی۔ غالباً آٹھ نو کیمپ میں اسرار وہاں موجود تھے۔ یہ سب کیمپ افیسروں کے لئے تھے اور ہر کیمپ میں خدمت کے لئے ترکی سپاہی تھے ہمارے کھانے کا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا۔ جو کہ ہندوستانی یا ولائتی تھے۔ کیونکہ وہاں پہ پہرہ وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا کہ خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے۔ گوشت بہت کم ہوتا تھا جو ترکی افیسر ارد گرد کے کیمپوں میں موجود تھے وہ ہم پر نہایت نہایت شفقت کرتے تھے اور بہت زیادہ محبت اور لطف سے پیش آتے تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ گنتی کے بعد حسبِ عادت جیسے کہ دوسرے کیمپ کھلتے ہیں۔ اور لوگ آپس میں ملتے ہیں ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔ مگر ہمارے لئے بالکل اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسرار سے دور سے باتوں کی بھی اجازت نہ تھی۔ پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جب کہ ایام قرنطینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی نہ ہوئی۔ جو انگریز افسر اور کمانڈر تھا اُس سے کہا گیا بلکہ ترکی افسروں نے خود درخواست کی تو اُس نے کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو تمہارا آپس میں اجتماع خلاف قانون ہے اخیر تک ہم آپس میں نہ مل سکے مگر چونکہ راستہ بعض بعض کیمپوں میں سے تھا اسلئے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ لوگ ہمارے پاس اکثر ہدایا وغیرہ بھیجتے تھے۔ ہم اصرار بھی کرتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ کھانے کی حالت پر اُنھوں نے کہا کہ تم کمانڈر سے کہدو کہ خشک رسد تمہاری ہمارے باورچیخانہ میں دیدیا کرے۔ ہمارے یہاں سے کھانا پکا ہوا تمہارے واسطے آیا کریگا۔ چنانچہ یہی انتظام کیا گیا۔

سیدی بشر سے سوئز کو روانگی

تقریباً اٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا ۱۳ رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے روانگی ہوئی۔ اور اسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم اسٹیشن پر پہونچائے گئے فسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب سوئیس پہنچے ہم کو خیال تھا کہ آگبوٹ وہاں تیار ملیگا مگر بدقسمتی سے پھر کیمپ اسرا میں قید کئے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسارت گاہ تھی جس میں بہت سے ترکی افیسر اور سپاہی تھے۔ پہرہ ہندوستانی

سپاہیوں کا تھا۔ ہمکو مغرب کے بعد وہاں داخل کر دیا گیا اور دو خیمے دیے گئے جن میں رہنا شروع کیا۔
یہاں پر ہم کو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا وہ بیچارے عراق سے پکڑے گئے تھے اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر
سویز لائے گئے تھے جوکہ دو دو تین تین ماہ سے وہاں پڑے ہوئے تھے ان لوگوں سے ملکر نہایت دلچسپی رہتی تھی۔
نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے۔ مگر عموماً افسر نہایت تنگدستی کی حالت میں تھے۔ کیونکہ ان کی نہ تو تنخواہیں
ملتی تھیں نہ ان کو آگے روانہ کیا جاتا تھا۔ فقط کھانے کا انتظام تھا۔ ہمکو بھی یہی دقت پیش آئی چونکہ وہاں
بھی چیزیں نہایت گراں آتی تھیں ادھر ہم سے جو پونڈ اسکندریہ میں لیلئے گئے تھے انکے بدلے ہمکو نوٹ دے گئے
ساورن نہیں دی گئیں ہم نے اصرار بھی کیا مگر ایک نہ سنی گئی۔ ساورن وہاں پندرہ روپے سے زائد کو تھی۔ مگر نوٹ ایک ساورن
کا دس شلنگ کو چلتا تھا۔ سیدی بشر میں اور یہاں سویس میں یہی مقدار کام آئی۔ یہاں آگبوٹ کے انتظار میں ہمکو
بہت زمانہ گذارنا پڑا تقریباً پونے دو مہینے گذر جانے کے بعد آگبوٹ کی آمد ہوئی۔

سویس سے روانگی

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ع اتوار کے دن دس بجے صبح کو کیمپ سے روانہ ہو کر آگبوٹ
پر پہنچے فسٹ کلاس کمرہ ہمکو دیا گیا اور کمروں میں اسباب وغیرہ جما دیا گیا۔ اسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہوگیا
۱۲ رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہونچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچا
ہم (کاتب الحروف) اور مولوی عزیز گل صاحب اکثر اسباب لیکر کنارہ پر پہونچے اور ہوڑی کو حضرت رحمۃ اللہ
علیہ اور وحید کے لینے کے لئے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہوگئی دریا میں طوفان آگیا جس کی وجہ سے اس
روز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ و وحید نہ آسکے۔ اگلے دن بمشکل تمام مولانا کو اتارا گیا۔ بمبئی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ہم
بالکل آزاد ہیں کسی قسم کی روک ٹوک ہمکو نہیں۔ بمبئی میں آگبوٹ پہنچنے پر سب سے اول سی۔ آئی۔ ڈی کا افسر انگریز مع دو
تین ہندوستانی افسروں کے جنمیں بہاؤالدین صاحب بھی تھے آئے۔ اس انگریز نے مولانا سے کہا کہ میں کچھ آپ سے
علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں مولانا کمرہ میں چلے گئے۔ اس نے کہا کہ مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں آپ
بغیر ان کے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اتریں یہ کہکر وہ چلا گیا ہم نے عرصہ تک انتظار کیا۔ آخر کار ہم اسباب لے کر
اتر آئے۔ اسکے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے مولانا سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف
سے مولانا پر اثر ڈالنے کے لئے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہنچنے کے بعد سیاسیات میں
دلچسپی نہ لیں۔ مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے۔ ان کی پختگی گورنمنٹ اور خلقت پر ظاہر ہو چکی

تھی ۔ اوہر مولوی صاحب موصوف مہذب تعلیم یافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے ہر مولانا کی شدت عزم و استقلال سے واقف تھے اسلئے وہ کوئی قوی اثر نہ ڈال سکے اونہوں نے دھیمے الفاظ استعمال کئے اور جلسوں کی شرکت وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی ۔ جلسوں میں جو بے عنوانیاں ہوتی تھیں ۔ اُن کا بھی تذکرہ فرمایا اور اس پر زور دیا کہ مولانا اترنے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہوکر دیوبند کو روانہ ہوجائیں ۔ بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں ۔ اونہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپ کے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا ۔ مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے ۔ مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہوجاوے مگر وہاں تو بقول شخصے ع یہ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے ۔ اُن کا قلبی مذاق یہی تھا ۔ مرض وفات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرض سے اچھا ہوکر قصد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں اسی تحریک کے اشاعت کے لئے دورہ کرونگا ۔ آخر کار ایک بھی نہ سُنی خلافت کمیٹی نے استقبال کیا ۔ انہیں کے مکان پر قیام فرمایا ۔ انہیں کے یہاں دعوتیں ہوئیں ۔ ایڈریس پیش کیا گیا ۔ ۲۲ ۔ اور ۲۳ ۔ رمضان کو قیام فرماکر جمعرات کی شام کو ۲۴ رمضان کی شب میں ایکسپریس پر روانہ ہوکر ۲۵ رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن دھلی پہونچے ۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں سے روانہ ہوکر ۲۶ رمضان المبارک کو تقریباً ۸ بجے صبح کو دیوبند پہنچے ۔ راستہ میں اہل میرٹھ نے ایڈریس پیش کیا ۔ میرٹھ شہر میرٹھ چھاؤنی ، مظفر نگر وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا ۔ اور دیوبند میں بھی استقبال کرنے والوں کا جم غفیر تھا ۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و امدنا بامدادہ والیحمنا عن برکاتہ فی الدنیا والآخرۃ ۔ آمین یارب العالمین ۔

عرض حال

چونکہ میں اس وقت تک جیل کراچی میں حوالات تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ ربیع الاول کو مقدمہ سشن سے فیصل ہوجاوے گا اور ہم کو سزائے قید کا حکم قلم دوات کاغذ وغیرہ سے محروم کردیگا ۔ اس لئے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا ۔ بعض بعض باتیں چھوڑ دیں ۔ میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں اور امیدوار ہوں کہ جو کچھ غلطیاں مجھ سے واقع ہوئی ہوں ان سے چشم پوشی فرماتے ہوئے میری مغفرت اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں ۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ اشرف الخلق سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

العبد العاجز العاصی حسین بن احمد غفرلہ الفیض آبادی ثم المدنی فی لیلۃ الجمعۃ اول ربیع الاول سنہ ۱۳۴۰ھ

تتمہ

کرنیل اشرف بیگ کے مفصل حالات

کرنیل اشرف بیگ

کرنیل اشرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربر آوردہ لوگوں میں سے اور سمجھدار صاحب مروت و انسانیت شخص تھا ہمارے مالٹہ میں پہونچنے کے تقریباً دو ماہ بعد وہ مالٹہ پہونچا اور اتفاق سے جس کمرے میں (بکباشی) میجر حسن عزت بیگ رہتا تھا۔ اُسی میں قیام پذیر ہوا۔ ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوز باشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لئے جاتے وقت ہوئی تھی۔ کیونکہ ایک ہی موٹر میں جانا ہوا تھا۔ اُسمیں وہ اور ایک اُس کا رفیق نوری آفندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے۔ جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجتمع ہوئے اُس وقت نوری آفندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور اشرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا اُس روز سے مولانا مرحوم کو اُس سے اور اُس کو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہو گیا اور اخیر تک نہایت گہرا تعلق رہا۔

کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکیشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے نہایت دیندار شخص تھے۔ اُس کے اس ملک پر تسلّط کر لینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں سے ہجرت کر کے مختلف ترکی ممالک میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انکے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہنچے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے ان کے حال پر نظر عنایت کی اور خاص توجہ سے اُن کو اور اُن کے جملہ متعلقین کو باریاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ کا ان کو داروغہ بنا دیا جسکو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشعبۃ الطیور کے لفظ سے اس زمانہ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اشرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی نظر عنایت بہت زیادہ تھی۔ اپنے بچوں کے ساتھ محل سرا میں ان کی تربیت دلائی قرآن شریف حفظ کرایا اور جب قرآن شریف تمام ہوا تو اُس روز

خاص جشن کیا۔ عمائد اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی۔ اور استاد کو خلعتیں دیں۔ لکھنا پڑھنا سکھلایا
اور بڑے ہونے کے بعد مکاتب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا۔

اشرف بیگ کی اخلاقی حالت

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست، قوی، جنگجو، بہادر عموماً ہوتے ہیں۔ اور اُن میں سے یہ
خاندان نہایت سر آوردہ تھا اس لئے فطرتی طور پر اشرف بیگ، نہایت مستقل مزاج۔ نہایت
صابر۔ جفاکش، بہادر، ابتدائے عمر سے واقع ہوا تھا۔ اُس کی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل
مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں۔ جن کو اُس نے خود اپنی سوانح عمری میں دکھلایا ہے
ہم اُن کی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے توجہ دلانا نہیں چاہتے۔ وہ اگرچہ سلطان عبدالحمید
مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں درد والا دل رکھتا تھا۔ اپنے سر میں حقیقت شناس دماغ
رکھتا تھا۔ اُس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قوت پر زیادہ رہتی تھی۔ اُس نے لڑکپن کے زمانہ سے
سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کر لی تھی وہ خود
بارہا مجالس میں اقرار کرتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے
ہیں مجھ سے زیادہ کوئی اُس کے اعمال سے واقف نہیں۔ میری طبیعت شرارت کی وجہ سے بارہا مجھکو
سلطان مرحوم نے محلسرائے میں اپنے ہاتھ سے مارا بھی ہے۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین عابد
وزاہد تھا۔ عبادات۔ اور شرعی منہیات کی رعایت میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا۔ فقط اُس کے ارد
گرد ایسے خودغرض لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اُس کو عام قوم کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ اُس کے
دل میں اپنی جان کا خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ لوگ اپنے شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو
قربان کرتے رہتے تھے۔ مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم کی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے
وہ نہایت زیرک اور عقلمند تھا۔ اُس کو تجربے بھی حکومت کرتے کرتے بہت حاصل ہو گئے تھے۔
خود اشرف بیگ کو جلاوطن کر کے اڈریانوپل میں تقریباً دو برس رکھا۔ اُس کے بعد معافی ہوئی
پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظر بند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے حربیہ کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ مدینہ منورہ کی نظربندی
کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہو جانے کے بعد جب امیر عثمان باشا والی مدینہ نے اُسکو پکڑنا چاہا تو وہ

بھاگ گیا اور بدوؤں سے مل کر انہیں میں بود و باش اختیار کرلی - چونکہ فنون جنگ سے پورا واقف
تھا طبیعت نہایت جری واقع ہوئی تھی - اس لئے اس نے ان کے ساتھ ملکر لوٹ مار شروع کردی
خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال و اسباب کا سن لیتا تھا تو اسکو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھ لوٹ مار
میں حاصل کرتا تھا وہ سب بدوؤں کو کھلا دیتا - اس لئے اس نے اپنی حسن تدبیر اور واقفیت سے تھوڑی
سی مدت میں حجاز، یمن، تہامہ، نجد، عراق، وغیرہ، وغیرہ کے قبائل اور مشائخ سے واقفیت پیدا کرلی
اور ان کو اپنا حلیف بنالیا جو لوگ مخالفت کرتے ان پر غارت ڈالتا - اور فنون حرب اور جنگی حسن تدبیر
کی بنا پر غالب آتا اس لئے بہت جلد اس کا سکہ تمام سرزمین عرب پر جم گیا عثمان پاشا وغیرہ نے
بہت کوششیں کیں، شرفا اور مشائخ قبائل کے واسطے سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا - کچھ عرصہ جس کی
مقدار تقریباً ڈیڑھ دو برس ہوتی ہے حجاز میں قبائل عرب میں مقیم رہا - نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی
اس کا پورا رسوخ ہوا - فنون سپہ گری، قوت جسمی، قلبی بہادری کی بنا پر امیر نے اس کی بہت زیادہ خاطر
داری کی اور شادی کرنے کی خواہش کی - مگر یہ راضی نہوا - امیر سے اسکے وکلاء کے نام پروانہ راہداری لیکر
بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اس وقت اسکی صورت و شکل بالکل نجدی عربوں کی تھی - ہندوستان میں
عرصہ تک پھرتا رہا چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقائع کو اس نے اب تک محفوظ کر رکھا ہے - اس کے بعد
یہاں سے چین میں گیا اور پھر چین سے بخارا - روس وغیرہ ہوتا ہوا ترکی ممالک میں پہنچا - اسی طرح
ایک مرتبہ اسکو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑا ہے اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ، مقدونیہ، تراکیا، دیرکس
بلغاریہ، سرویہ، اناطولیہ، سمرنا، سوریہ، مصر وغیرہ میں تو بارہا پیدل پہاڑوں اور جنگلوں میں عمر گذارنی
پڑی ہے جس میں وہ اکثر روپوش رہ کر پھرتا تھا - اسکو عربی ترکی، فرانسیسی زبانیں اچھی آتی ہیں -
زمانہ انقلاب ترکی میں انور پاشا اور اس کی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور شور کئے ہوئے تھی
اور اناطولیہ کی سرزمین میں زور و شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی - یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا
ہے مگر اپنے عزم پر نہایت قائم اور استوار رہنے والا شخص ہے - انور پاشا کا واقعہ میں نہایت
قوی بازو ہے - عموماً مخفی حرکات فوجی اس کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں - اس نے زمانہ انقلاب میں
اور اس کے بعد جنگ طرابلس، جنگ بلقان، جنگ عمومی، میں نہایت بڑے اور پر زور کارنامے
کئے ہیں، جس جگہ سرفروشی کا موقع پیش آتا تھا - پہونچ جاتا تھا - انقلاب ہونے کے بعد ہی اس نے

فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ صالحلی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کر کے زراعت میں مشغول ہو گیا۔ مگر باطنی تعلقات رؤسائے جمعیتِ اتحاد و الترقی سے رہا۔ اُس نے بار ہا کہا کہ میں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ میں کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں میں نے جماعت ائتلاف والحریتہ اور جماعتِ اتحاد و الترقی دونوں میں شامل ہو کر تحقیقات کی اور ہر فریق کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا۔ مجکو تحقیق ہو گیا کہ جماعت ائتلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں۔

ان دونوں پارٹیوں کی مختصر کیفیت

جب تک کہ ٹرکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی تھی۔ اُسوقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کے پیروی کرنے والے سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کر رہے تھے۔ آپس میں اتفاق تھا۔ اور ایک دوسرے پر جاں نثاری کر رہا ہوا نیم جمہوریت کا خواہشمند تھا (نیم جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ خاندانِ شاہی گرچہ بالکل لغو نہ کیا جائے بلکہ اسکو برسر اقتدار قائم رکھا جائے۔ مگر اُس کا استقلال محض اور اُس کی شخصیت مطلقہ سلب کر لی جائے اسکے احکام بمشورہ جماعتِ خاصہ جس کو ٹرکی میں مجلسِ اعیان کہتے ہیں جاری ہوں۔ یہ مجلسِ اعیان بمنزلہ دارالخواص (لارڈ کا منش) انگلستان کے ہے۔ جمہوریت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑ گیا اور دو جماعتیں قائم ہو گئیں۔ ایک جماعت ائتلاف والحریت اور دوسری جماعت اتحاد و الترقی۔ دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے جماعت اتحاد و الترقی کا مقصدِ اعلیٰ تمام مسلمانانِ عالم میں اتحاد قائم کر کے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شکست دینا مشرق کو اُن کے پنجہ ہائے ستم سے بچانا ہے۔ وہ عدالت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حسب حیثیت، وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں مگر حسبِ نظام، وہ مساوات کے خواستگار ہیں مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ اکثر ممبر یورپ کی زہریلی بد دینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں۔ اپنے آپ کو متنور کہتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ مظلم ہو گئے ہیں۔ یورپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں سے ان کے عقائد کی زندگی، علمی لائف پر نہایت بدنما اور تاریک اثر ڈالا ہے۔ تاہم جمعیتہ اتحاد

والترقی میں مذہب کے پابند اور اُس کا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اس کے ان کا اوّلین پروگرام مسلمانان عالم کو متحد کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک رشتہ میں جوڑ لینا ہے۔ بخلاف جمعیۃ ائتلاف والحریۃ کے ان لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی درد بھی نہیں انکا پروگرام یہ ہے کہ یہ بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی یہودی مسلم ارمنی وغیرہ وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے اس میں عیسائی اور ارمنی کے وہی حقوق ہیں جو کہ ایک مسلمان کے ہیں بڑے سے چھوٹے عہدوں تک بلا تمیز ہر شخص اور ہر ملت کو ملنے چاہئیں۔ ان کو بیرونِ احاطہ ممالک عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں ان کو یوروپ سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ ان کی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ وابستہ ہے۔ ان میں وہی جرات اور بہادری بھی نہیں۔ راحت طلبی شخصی وجاہت اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ ہیں۔ ابتدائی جنگ طرابلس وبلقان میں کامل پاشا اور اُس کا تمام کابینہ جمعیت ائتلاف والحریۃ کا تھا۔ دوسری جمعیت والے گرے ہوئے تھے ائتلافی جماعت کی سوءِ انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کر کے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ جب ائتلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہو سکا تو اتحادی جماعت کے سربرآوردہ لوگ شہید نیازی بیگ مرحوم، انور بیگ، اشرف بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ چھپ کر کوئی خشکی سے اور کوئی آگبوٹوں سے خلاصی بن کر، کوئی بادبانی کشتیوں وغیرہ میں میدان میں پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوسی سے اتحاد کر کے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکے چھوٹ گئے طویل زمانہ تک کوشش کرنے پر بھی سوائے ان مقامات کے جن کی حفاظت بحری ڈریڈناٹ کرتے تھے۔ دوسرے دور کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہو سکی۔ نہایت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور مقصد اصلی حاصل نہ ہوا۔ اس مدت میں اُس تمام سرزمین کے عرب قواعدِ جنگ سے بخوبی واقف ہو گئے انور پاشا نے ان میں مدارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیم گاہیں قائم کر دیں جن کی بنا پر ان میں اچھے اور مستعد لوگ ایسے پیدا ہو گئے جن کو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے کمانداروں کی نہیں رہ گئی مگر بدقسمتی سے اُسی زمانہ میں جنگ بلقان چھڑ گئی اور اُس میں بجائے فتحیابی کے کامل پاشا اور اُس کے کابینہ کی سوءِ انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جس کی وجہ سے خود دار الخلافت زد میں آ گئی اور بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا۔ ان اتحادی سرفروشوں کو خیال تھا

کہ ٹرکی فوجیں اور سامان جنگ کافی موجود ہے اس لئے یہ چھوٹی حکومتیں یونان سرویہ ، بلغاریہ ،
ماٹنی نگرو پسپا ہونگی کچھ فکر کی بات نہیں مگر بات الٹی ہوئی ناظم پاشا کمانڈر جنگ کی آرام طلبی اور
فوجوں کی بدنظمی نے وہ دن دکھایا جو ٹرکی کو تمام ایام حکومت میں نہ دیکھنا پڑا تھا۔ آخر کار یہ سب بھر آور دہ
افسر وہاں سے کچھ کچا پکا انتظام کر کے بھاگے مگر ادھر مصر میں ان پر پوری نگرانی تھی۔ آخر کار انور پاشا
جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آگبوٹ میں اسکندریہ سے سوار ہو کر قسطنطنیہ پہونچا ، برٹش کو اس کی خبر
وہاں اترنے کے بعد ہوئی۔ اشرف بیگ خشکی کے راستے سے صحرائے تیہ قطع کر کے وہاں پہونچا۔ غرضکہ اسی
طرح سب آہستہ آہستہ پہنچ گئے۔

اشرف بیگ کی فوج اور اڈریانوپل

اشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور شخصیت کے زمانہ میں عرصہ تک کام کیا تھا اس لئے اس نے ہر
شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی۔ اس کی بہادری ، اور انسانیت ، مروت ، دریا دلی ، نے
ہر جگہ تسخیر کا کام کر رکھا تھا۔ اس نے اپنی پارٹی میں ایسے ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو کہ پورے جاں نثار
اور جفاکش ہوں۔ علاوہ اس کے جو مہاجرین سرکش ممالک عثمانیہ میں موجود تھے۔ ان کا بہت بڑا
حصہ اس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سرعت کے
ساتھ استنبول پہونچا۔ ادھر انور پاشا نے ائتلافیوں کی وزارت ساقط کر کے اتحادی وزارت قائم کر دی
تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا۔ اس نے اشرف بیگ کو اور دوسرے اپنے
لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور و شور سے حملے کریں۔ بلغاری جو کہ چتالجہ پر پہونچ چکے تھے۔ ان سرفروشوں
نے ان پر ایسی زور و شور کی مار دی کہ ان کو پسپا ہونا پڑا۔ اور نہایت سرعت کے ساتھ ان کا تعاقب
شروع ہوا۔ خود اشرف بیگ اگلی فوج کا کمانڈر تھا۔ انور پاشا جملہ فوجوں کی خبر گیری کر رہا تھا۔ اشرف بیگ
نے کئی دن کی لڑائی کی وجہ سے درمیان میں راحت لینا چاہا۔ مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی۔
انور پاشا بخار کی حالت میں تھا مگر اسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ اشرف بیگ
مع اپنی فوجوں کے آگے بڑھتا رہا جس زمانہ میں اشرف بیگ اڈریانوپل میں نظر بند تھا۔ اس زمانہ میں
اس کو وہاں کے اطراف و جوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ وہاں کے خفیہ اور ظاہر راستوں اور
گھاٹیوں سے پوری طرح واقف ہو گیا تھا۔ اور چونکہ فوجی آدمی تھا۔ اوھر اس کو ہمیشہ خفیہ حرکات

کا سامنا رہتا تھا۔ اس لیئے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا۔ ہر مقام کو فوجی نقطہ نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ ادریانوپل میں بلغاری قوت موجود تھی۔ اور اگر کچھہ دیر وہاں پہونچنے میں ہو جاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی اور وہ شہر کی حفاظت کا پورا اور کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر تعاقب ہو رہا تھا اس لیئے پورا اجتماع نہ ہو سکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی نہ ہو سکی فقط اُن راستوں پر جو کہ عام تھے اونہوں نے انتظام کیا تھا۔ اشرف بیگ نہایت سرعت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے بہت جلد شہر پر قبضہ ہو گیا اور زیادہ تکلیفات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اس کے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانداروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں۔ اور پے در پے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس، برٹش ول کر ٹرکی کے سامنے آگئے۔ زار نے صاف طور سے کہدیا کہ اگر حدود ایڈریانوپل سے تم لوگ آگے بڑھے۔ تو میں اعلان جنگ دے دونگا۔ ٹرکی کی حکومت کو اُس وقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار ہو جاتا۔ لاچار ہو کر اسکو روکنا پڑا۔ مگر اشرف بیگ نے اعلان نافرمانی کر دیا وہ اور اُس کے بھائی وغیرہ نے ریاستہائے متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی۔ اور فتحیاب ہوتا رہا۔ ٹرکی نے اپنی نظامی فوج ہٹا لی۔ اشرف بیگ نے اُس مدت میں تقریباً چار ہزار گھرانوں کو جو کہ بلغاریوں کے مظالم اور شدائد کی وجہ سے مرتد بنا لیئے گئے تھے پھر مسلمان کیا۔ مفتوحہ زمین میں امن قائم کیا سکہ اور ٹکٹ بھی اُس کا علیحدہ جاری کیا۔ اور تقریباً چھ مہینے یا اس سے کچھہ زائد تک ایک علیحدہ ریاست وہاں جمی رہی۔ اُس کے پاس ہر طرف سے غیر ممند افسر اور سپاہی خفیہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دول یوروپ نے ٹرکی کو مجبور کیا کہ اشرف بیگ کو جس طرح ہو وہاں سے ہٹایا جاوے۔ چنانچہ بہت زیادہ مجبور کرنے پر بعض بعض مفید اسلام شرائط بلغاریہ سے کر کے جملہ غنائم جو کہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آئے تھے۔ جن کو بلغاریوں سے اس نے چھینا تھا اور نقود وغیرہ ساتھہ لیکر واپس آ گیا ان غنائم میں سے اکثر کو اُن مہاجرین پر تقسیم کر دیا جو کہ بلقانی زمینوں سے ہجرت کر کے ٹرکی کی ممالک میں آ گئے تھے۔

اشرف بیگ ٹرکی میں غیر منتظم فوج اور مجاہدین کا کماندار تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی پہونچتا تھا۔ اُس کی خفیہ کام کرنے والی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی۔ ضروری کاموں کو بطور رجال الغیب

پورا کرتی رہتی تھی۔ جس پر حکومت ٹرکی قانوناً کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی۔ قبل اعلان ٹرکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اُس کا بھائی سامی بیگ کاشغر کو ہندوستان کے راستہ سے بھیجے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے۔ مگر جب جہاز بمبئی میں تاجرانہ طریق پر پہونچا تو انگریزوں نے آگبوٹ کو گرفتار کر لیا۔ اشرف بیگ خفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں سے جدّہ وغیرہ پہنچا۔ اُس کا بھائی سامی بیگ گرفتار ہو گیا۔ اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بھیجا گیا۔ وہاں سے راستہ میں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے نقود ضروریہ حاصل کر کے پشاور اور وہاں سے کاشغر پہونچا۔ بعض دوسرے افسر بھی روپوش ہو کر پھرتے پھرتے اُس طرف پہونچ گئے۔ سامی بیگ نے کاشغر میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قائم کرا دی چنانچہ بالفعل وہاں اسلامی حکومت ہے سامی بیگ کی خبریں مالٹہ میں آیا کرتی تھیں سامی بیگ اشرف بیگ سے چھوٹا ہے اُس قدر توانا اور قوی نہیں مگر استقلال اور صبر و تحمل بے حد رکھتا ہے غیرتِ اسلامی اور ہمدردی مذہبی انسانیت مروت بجد رکھتا ہے۔ اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر وہ حلیم ہے جنگی جفاکشی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ ذہن نہایت تیز اور رائے بہت صائب رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ انور پاشا کی پالیسی ہیں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش ہمدرد اسلام اشخاص تھے اور ہیں جن کی نظیر اس وقت دوسری قوموں میں موجود نہیں۔ اگر جنگ بلقان کے بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گذر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت اتحاد والترقی کی اس قدر قوت بہم پہنچا لیتی کہ بڑی سے بڑی قوت مغربی اس کا سامنا نہ کر سکتی مگر بدقسمتی سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا۔ پھر بھی اس میں وہ وہ جفاکشیاں اور انتظامات کئے جن کی نظیریں گذشتہ ایام میں ٹرکی کے لئے نہیں پائی جاتیں۔ ابتدائے جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھ فوج میدان جنگ کے لئے زیر ہتھیار نکالی۔ اس قدر فوج کبھی ٹرکی میدانِ جنگ میں نہیں لایا۔ پھر اُن کے لئے ہر میدان میں جملہ اقسام کی ضروریات کو مہیا کیا۔ میں نے خود سپاہیوں اور افسروں سے سُنا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہیوں کے لئے علاوہ عمدہ خوراک کے سنگترے۔ انگور۔ سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے جاتے تھے۔ پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی تقریباً بارہ یا تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔ میدان عراق۔ میدان عدن

میدان حجاز، میدان سویز، درہ دانیال، سالونیکا، ارض روم، طرابزون، مغالیصیا، دمالک اسٹریا، رومانیہ، حدود اٹالیہ، حدود روس بجانب وارشو، حدود ایران بجانب وان، وکرکوک۔ ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خطہ میں جنگ قائم رہی۔ حالانکہ آلات رسد رسانی کی نہایت دقت تھی۔ ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار روس اور دیگر یوروپین قوموں کی تشددات و مظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے، جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان مہذب مردودوں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی کسی ایک قوت سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے پیکار تھی پھر یہی نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہو اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے۔ آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہونچایا ہے اور جو جو مظالم اونہوں نے کئے ہیں وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برباد کرنے کیلئے کافی تھے اُنھوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا گھروں کو جلا دیا۔ ہر قسم کے سامان جنگ ڈائنامیٹ کے گولے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات سے خفیہ خفیہ جمع کر کے باہم پہنچائے، چنانچہ تفتیش پر تہ خانے کے تہ خانے بھرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جن کا اونہوں نے استعمال کر لیا تھا۔ وہ علیحدہ رہے۔ اونہوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا ارض روم کی طرف سے اُن کو اعانت پہونچا ہی رہے تھے۔ پھر اس پر بھی اگر ان کے ساتھ کوئی معاملہ ٹرکی نے کیا ہے تو تمام یوروپ ٹرکی کو خطاوار اور سفاک ظالم ٹھیراتا ہے۔ اگر اُن کے مظالم کی میں تفصیل لکھوں تو بڑے دفتر کی ضرورت پڑے نہ میرے پاس اس کی کافی وسعت ہے اور نہ ہی میں اس کو بخوفِ ضبطِ کتاب لکھ سکتا ہوں مگر دو ایک باتیں ضروری طور سے جس کو میں نے خود متعدد لوگوں سے سُنا ہے عرض کرتا ہوں۔

ابتدائے اعلانِ جنگ میں جب کہ ٹرکی نے لشکر جمع کرنے شروع کئے تو جو لوگ لشکر میں بھرتی ہونے کی صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے ممالک میں بھاگ گئے عورتیں بچے اور پینتالیس برس سے زائد عمر والے ظاہری طور پر باقی رہ گئے مگر اونہوں نے سردی اور برف باری کے زمانوں میں رستہ والے گاؤں وغیرہ میں مسلمان لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں میں شب کو آرام کے واسطے دعوت دی۔ بیچارے عساکر یا پولیس کے جوان یا منتظمہ فوجی جماعت جو کہ رسد لکڑی اور دیگر ضروریات کے واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے وہ جب مکان

میں پہونچے اور سو گئے اور یا کم حد پر پہونچے تو اُن کو قتل کر ڈالا کبھی مکان میں آگ لگا دی کبھی ڈائنامیٹ سے اڑا دیا۔ اسی طرح قبل از ظہور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا جس کا پتہ کچھ عرصہ کے بعد پوری طرح سے چلا۔ ارمنی عیسائی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار چار سر جمع کرتا تھا اور اُس کو پانی میں جوش دے کر اُس پانی سے نہاتا تھا اور اس کو باعث نجات آخرت سمجھتا تھا۔ وان میں ارمنی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے سخت قتل عام مسلمانوں کا کیا اُن کی عورتوں کی عصمت دری اور مال وغیرہ کی غارت گری نہایت بے دردی کے ساتھ کی۔ کیونکہ وان کی حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ محاذ جنگ اول سے تھا ارمنوں نے راستہ بتا کر روسی فوجوں کو داخل کر دیا تھا۔ مفتی وان کی دوشیزہ لڑکی کو ساٹھ ستر ارمنی اٹھا کر پہاڑوں میں لے گئے اور اُس کو زنا کرتے کرتے مار ڈالا۔ اس قسم کی سیکڑوں بے حرمتیاں اور شدائد واقع ہوئی تھیں جن کی بنا پر ترکوں نے اُن کی صفائی کی طرف توجہ کی جن باتوں کو دیکھ کر خود جرمنی افسروں اور غیر جانب دار ہسپانی سویڈی سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں کو ہی دیا تھا اور ہر طرح ارمنوں کو ظالم قرار دیا تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ایام جنگ میں جب کہ ترکی حکومت بیرونی حکومت کے ساتھ مشغول تھی۔ اس قدر مظالم کی ابتدا کرنے والی قوم باوجود ہتھیار وغیرہ پائے جانے کے اگر زیر قوانین مارشل لا لائی جاوے تو وہ ظلم ہو مگر اگر ہندوستان کے نہتے غیر ایام جنگ میں ستیہ گرہ اور اُس کے جلسہ کریں تو اُن پر قوانین مارشل لا جاری کرنا۔ اور ان کو مشین گنوں، رائفلوں سے برباد کرنا جنرل ڈائر اور اوڈوائر کا خالص عدل شمار کیا جاوے۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔

ترکی کو ادھر تو ارمنیوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس سے کچھ فارغ ہی ہوا تھا کہ یوروپ نے عربوں کو سامنے لا کھڑا کیا اور شریف حسین اہل سوریہ اہل عراق سے نہایت ناجائز اور شنیع افعال کرائے جن کی بنا پر نہایت بڑا اور زہریلا اثر ترکی قوت پر پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عربوں کی خیانت نہ ہوتی تو ترکی کسی طرح بھی میدانِ جنگ میں شکست نہیں کھا سکتی تھی۔ مگر اس کا مزا آج عرب چاروں طرف چکھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ترکی کو ایسی حالت میں چار برس برابر لڑائی پر قائم رکھا جس کی نسبت کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے بہت سی فروگذاشتیں اور بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں۔ بہت سے بدنیت اور اغراض

نفسانی والے لوگوں نے ایسے تنگ و خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر بڑوں کے اخلاص
اور حسن انتظام میں شک بھی نہیں۔

اشرف بیگ کی گرفتاری

اشرف بیگ چونکہ حجاز۔ یمن۔ نجد وغیرہ کے قبائل اور تمام زمینوں اور گھاٹیوں سے واقف تھا
عربی زبان بھی خوب سمجھتا ہوا فنون جنگ کا ماہر تھا۔ اس لئے امام یحیی نے صنعاء یمن سے اپنا آدمی
استنبول انور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیجدو تو میں اپنی اور موجودہ ترکی
فوج کو لیکر شریف حسین پر چڑھائی کردوں اور جو کچھ اس نے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچا کر کافروں
کی مدد کی ہے اس کا دفعیہ کردوں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور تقریباً بیس ہزار
پونڈ فوج کے مصاریف وغیرہ کے لئے اور کچھ ہدایا امام یحیی کے لئے اس کے ساتھ روانہ کئے گئے تقریباً پانچ ہزار
پونڈ اس کے علاوہ خود اشرف بیگ کے تھے اور چالیس بہادر جانباز افسر بھی ساتھ کئے گئے اشرف بیگ
اولاً مدینہ منورہ آیا۔ وہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام کیا اور اس لئے کہ کہیں شریف کے لوگوں پر جاسوس
کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم نہ ہو جائے سیدھا راستہ یمن کا مدینہ منورہ سے اختیار نہ کیا بلکہ مدینہ منورہ
سے اولاً خیبر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے قصد یمن کی روانگی کا کیا۔ کل مجمعہ تقریباً ستر آدمیوں کا
تھا۔ چالیس آدمی جنگی تھے اور باقی خدمتگار یا شتربان وغیرہ تھے خیبر کے قریب اُن کو پانی کی غرض سے
ایک کنوئیں پر اُترنا پڑا وہاں تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ عبداللہ بیگ شریف کا منجھلا یا سنجھلا بیٹا جو کہ طائف
کی مہم پر تھا طائف فتح ہونے کے بعد بارہ ہزار سپاہی لے کر مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ
منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے کو جاتا ہوا اسی کنوئیں پر آیا۔ نہ اسکو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف بیگ
کو اس کی جب اس کے آدمی پانی لینے کو کنوئیں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور
آخر کار جنگ شروع ہوگئی۔ اشرف بیگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج
رکھتا ہے اور ہم ہتھیار بند فوجی قوانین سے واقف فقط چالیس آدمی ہیں۔ اس لئے حسب قوانین
عسکریہ میں تم کو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ انہوں نے اس سے
کہا کہ آپ کیا کریں گے اس نے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہوں گا میں بھاگنا نہیں چاہتا
انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بنا کر مقابلہ کیا۔ پانچ گھنٹہ تک سخت مقابلہ

ہوا۔ اور عبداللہ بیگ کے لوگوں کو ہزیمت فاش ہوئی مگر اس کے بعد ایک جماعت بدوؤں کی پیچھے
کی پہاڑی پر چڑھ گئی اور وہاں سے اونہوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر اکثروں کو شہید اور باقی ماندہ کو
سخت زخمی کر دیا۔ اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جس کی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور
ہو گیا۔ تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ جب
مغرب ہو گئی تو گولی برسانی اونہوں نے چھوڑ دی رات بھر زخمی وہیں پڑے رہے صبح کو آ کر تمام اسباب
وغیرہ لوٹا اور زخمیوں کو لے گئے۔ اشرف بیگ اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مگر اس کو قسمیں دلائیں اور
اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائیگا۔ آخر کار اس کو اٹھا کر شریف عبداللہ کے
خیمہ میں لائے اس نے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا۔ اسی وقت زخموں کو دھلوایا اور کمپوڈر وغیرہ
کیا تھا ینبع البحر بھجوایا وہاں سے جدہ بھیجا گیا اور پھر مکہ معظمہ بھیجا گیا۔ اشرف بیگ کے اسیر ہونے پر
شریف حسین نے بہت خوشیاں منائیں۔ پھر اس کو مصر بھیجا گیا۔ مصر میں زیر اسارت اسکا ڈاکٹری
علاج کیا گیا مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر بدوی جراح بلایا گیا اس کے علاج سے نفع ہوا اور
چلنے پھرنے کی قوت آ گئی۔ اسکو مصر میں خلاف قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اس کو ترغیب دی گئی
کہ وہ اپنی قوم کے خلاف فوج لیجا کر جس کو برٹش گورنمنٹ دیگی ازمیر کے میدان میں اترے اور وہاں جنگ
کرے جس شخص کے ذریعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کریگا تو تمام صوبہ
ازمیر رسمی نام کا اسکو دیدیا جاویگا اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اسکو دیجائے گی۔ اشرف بیگ نے
اس کو مارا اور بہت گالیاں دیں جب عرصہ تک آزمائش کی گئی۔ نہ سختی نے اسکو ڈرایا نہ لالچ نے اس کو
چھپایا نہ وحدت اور تنہائی نے اسکو گھبرایا تو اس سے مایوس ہو گئے۔ مصر کی اسارتگاہوں میں جہاں بڑے
وہ امراء تھے اسکو نہ بھیجا گیا بلکہ سیدھے مالٹہ بھیجا گیا یہاں اس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا۔

اشرف بیگ کا حسن انتظام

یہاں آ کر اس نے اولاً تمام عثمانی امراء کو بھایا۔ لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال کی تحقیق
کی بہت سے ایسے کمزور اور نادار آدمی پائے جن کی مالی حالت خراب اور اخلاقی کیفیت نہایت
ضعیف تھی۔ اس لئے اوس نے اولاً افسروں کو چندہ بہم دینے پر آمادہ کیا اور ایک خاص انجمن
عثمانی امراء کی خبرگیری کے لئے بنائی اُن کے لئے تعلیم کا نظام قائم کیا تاکہ نوعمر قابل لوگ کچھ

تعلیم حاصل کریں۔ استنبول سے اُن کے لئے کتابیں بذریعہ ہلال احمر منگائیں۔ نیز ہلال احمر سے ان نادار لوگوں کے لئے نقد منگایا جس کو وہ بذریعہ انجمن جس کے ہاتھ میں ہر شخص کیلئے بتعیین مقدار حسب مرتبہ تھی ایک نظام پر تقسیم ماہواری کرتا رہا وہ گیٹ کمپ کے اسرار کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچ کرتا رہا تاکہ عمدہ اور لذیذ کھانا اُن کو ملا کرے اس نے مختلف قہوہ خانے کھولے اور اس میں مسلمانوں کو رکھا کہ وہ طریق تجارت سیکھیں اُن سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھ میں نے خرچ کیا ہے مجکو نفع میں سے ادا کرو۔ چنانچہ منتظم لوگوں نے اُس کے مصاریف کو بھی ادا کردیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کرلی۔ اسکی فکر ہمیشہ مسلمانوں کے ترقی اور نفع کی تھی۔ یہ ہمیشہ اتحاد اسلامی کا حامی رہتا تھا اس کو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد عربی اتحاد ایرانی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی۔ وہ جملہ کلمہ گوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا۔ اُس کی ہمت نہایت بلند تھی۔ اُس کی جسمانی قوت بہت زیادہ تھی۔ مالٹہ کے موجودہ لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی آسٹرین کوئی اُس سے زیادہ قوی نہ تھا اُس کے جسم کی ہڈیاں نہایت قوی اور بڑی تھیں اُس کے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا۔ ترک عموماً سادی وضع رکھتے ہیں ہندوستانی امرا کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات وسکنات لباس طعام وغیرہ میں نہیں رکھتے اگرچہ اختلاط یوروپ کا بڑا اثر پڑچکا ہے مگر اپنی جبلی عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے اس کو ہندوستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جس قدر اُس سے دل کھولکر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے اس کی سادگی اور عادات واطوار کو پسند کرتے تھے۔ اور اس کو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا ہفتہ میں ایک دفعہ اُس کے پاس ضرور جاتے تھے اور اس کو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تدین

عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تدین کا ہے مگر واقعیت اس کے خلاف ہے ترکوں کے تدین کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو اُن کو ہی فوقیت دینا پڑتا ہے۔ ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ نہایت متدین ہے یعنی فیصدی شاید اسی اور نوتے تک نمازی اور عقاید صحیحہ والے لوگ ملیں گے اور مع اسکے جہاد کے نہایت شائق۔ اسلام پر جان دینا ان کے نزدیک نہایت مبارک فعل ہے۔ طبقہ علیا کے لوگ البتہ بددین ہیں اُن میں بھی جو لوگ یوروپ میں رہ چکے

ہیں وہ اکثر اپنے عقاید اور اعمال میں خراب ہیں اُن میں غالباً فیصدی بیس اچھے خیال اور اعمال کے ہوں گے اور فیصدی اسی آزاد خیال آزاد افعال ہیں۔ جو لوگ یوروپ نہیں گئے ہیں وہ فیصدی ساٹھ یا ستر متدین ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں۔ غرضکہ عام ملت ترکیہ ایسے نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عموماً غیر متدین ہے فیصدی تیس بھی اس فرقہ میں سے متدین نکالنا مشکل ہوگا۔ بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی بیس یا پندرہ بھی نکلنا دشوار ہے ترکوں کے عقاید عموماً بہت اچھے ہیں۔ یوروپ کے قرب اور اُن کے اختلاط نے بہت برا اثر ڈالا ہے جس سے عموماً متاثر ہونے والے یہی نوجوان اور بڑے لوگ ہیں۔ یوروپ نے قصداً اُن کے مذہبی احساس کو مختلف طریقوں سے کم کیا ہے۔ ترکوں کے علماء نہایت ہی متدین ہیں اتباع سلف میں بہت زیادہ کوشاں اور حق گوئی میں بے نظیر ہوتے ہیں۔

اشرف بیگ کے عقاید بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور مذہبیہ میں کمی پر تھی مگر انہیاں سے سخت متنفر تھا جبکہ تمام ترکی لوگ مالٹے سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے بھی چھوٹنے کا حکم آیا اسنے اول اول دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے آپ سب کے اخیر میں روانہ ہوا۔ اور پھر استنبول پہنچکر اسنے پوری قومی ہمدردی کی داد دی اور پھر جا کر مصطفےٰ کمال سے ملگیا جس پر مصطفےٰ کمال نے اخباروں میں مضمون دیا تھا کہ اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں کھل گئیں۔

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوز باشی) سید حسن آفندی بغدادی جو کہ بحری فوج کا افسر تھا اور کپتان (یوز باشی) نیازی آفندی میجر (بیگباشی) ہلمی بیگ جو کہ پورٹ سعید میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی واقف تھا یہ سب لوگ نہایت اخلاص اور عقیدتمندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عظمت کی نگاہوں سے مولانا کو دیکھتے تھے جب اخیر میں روالہ اور وہاں فرسٹہ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت سے التوار جنگ کے بعد کے اسرائیں میں سے چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے جناب شیخ الاسلام خیر الدین افندی ان کے رفیق حبیب بیگ احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد۔ کرنیل (میرالائی) جلال بیگ۔ کرنیل جواد بیگ۔ فائق بیگ۔ مفتی حسن فہمی افندی وغیرہ۔ شیخ الاسلام موصوف نے بیعت کی بھی درخواست کی مگر مولانا نے انکار فرمایا۔ پھر اونہوں نے کتابوں اور اوراد کی

اجازت مانگی اس کو مولانا نے قبول کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر ان کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل المعجزات جو کہ خط ثلث میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی جس پر اخیر میں چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھکر بطور طلب دعا اور درخواست یادگاری دستخط بھی کر دیا تھا۔

کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حمائل نہایت عمدہ اور خوبصورت چھاپہ کی مولانا کی نذر کی تھی۔ مولانا مرحوم اس میں اس کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ انور پاشا کے والد احمد پاشا معمر اور نہایت سادہ آدمی ہیں ان کو بزرگوں سے نہایت خلوص و اعتقاد ہے وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے۔ علاوہ ان کے صدر اعظم سابق سعید حلیم پاشا اور اُن کے بھائی عباس حلیم پاشا بھی کبھی کبھی آتے اور ملتے تھے جرنیل محمود پاشا جرنیل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے جب خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دوبارہ خلافت مطالبات شروع کئے ان لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چونکہ لنڈن ٹائمز اور ریوٹر برابر آتا رہتا تھا اور اُس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں اور بہت سے افسران میں سے انگریزی زبان سے خوب واقف تھے اس لئے وہ لوگ عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبت بھرے الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ بلکہ چلتے وقت ان بڑے عمائد نے شکریہ کا ایک محضر بھی بنا کر دیا تھا جو کہ مولانا مرحوم کی بیماری اور مشغولیت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔

اور بہت سے معزز عہدے والے لوگ تھے جن کو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق تھا۔ اس میں سے میجر (بیکباشی) احمد حمید بیگ نے بہت زیادہ اصرار کر کے بیعت بھی کی تھی۔ عموماً پنج وقتہ ہمارے ساتھ وہ اور قائم مقام (لفٹنٹ کرنیل) محمد توفیق بیگ نماز بھی باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ جب مالٹہ سے روانگی ہونے لگی تو تمام افسر صدر اعظم سے لیکر نیچے کے درجہ تک سب کے سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت تپاک اور محبت سے آبدیدہ ہو کر سبھوں نے رخصت کیا۔ وہ مجمع اور وہ سماں بھی عجیب تھا۔ کیونکہ بہت سے ذی وجاہت دنیاوی لوگ وہاں سے روانہ ہوئے مگر ایسا بڑا مجمع ان کی رخصتی کے وقت اور ایسے ایسے بڑے رتبہ والوں کا اجتماع اس ہیئت و دعا و آمین وغیرہ کے ساتھ کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔

انگریزی افیسر وہاں موجود تھے۔ اس حالت کو دیکھکر نہایت تعجب کرتے تھے۔

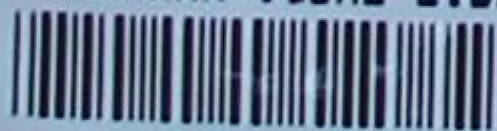
این سعادت بزور بازو نیست　　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ہیبت اور دبدبہ حقانی تھا۔ نفسانی نہ تھا۔ وہ شخص جس کی کبھی صورت بھی عالمانہ زندگانی کا جامہ نہ پہنتی تھی۔ وہ ہستی کہ جس نے کبھی اپنے آپ کو مسندِ علم کی صدر نشینی پر پیش نہ کیا ہو اس کی لباسی اور عملی کارروائی ظاہر میں ایک معمولی درجہ سے کبھی متجاوز نہ ہوتی ہو اس کو لوگوں سے اختلاط اور مناصب کے حاصل کرنے سے وحشت ہو اس کی یہ عزت و تمکنت، عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت اگر اس کے تقویٰ اور للہیت کا اثر نہ تھا تو کس کا تھا۔ ہندوستان میں جو قبولیت مولانا مرحوم کو خداوند کریم نے عطا فرمائی اور جس وقعت سے لوگوں کے دل میں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے۔ فرحمہ اللہ وارضاہ۔ آمین۔

اب میں اس اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند کریم اس ناکارہ کو بھی مولانا مرحوم اور ان کے اسلافِ کرام کے طفیل اور اپنے فضل و کرم سے استقامت اور ایمان عطا فرما کر اپنی خاص معرفت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام امتِ محمدیہ پر دنیا اور آخرت میں اپنا خاص لطف و فضل بخشش فرماوے آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حسین احمد غفرلہ





ملا جلال مع حواشی آخوند شیخ

یہ کتاب تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔

متن عقائد عضدیہ جو آٹھویں صدی ہجری کے مشہور علامہ قاضی عضد الدین عبدالرحمن بن احمد کی علم کلام میں نہایت جامع تصنیف ہے کتاب کی مقبولیت اور مستند ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس پر علماء متقدمین نے تقریباً پندرہ شروح و حواشی لکھے ہیں اور بڑے بڑے فضلا نے اس کی خدمت کی ہے۔

شرح ملا جلال الدین دوانی برمتن مذکور جو کہ نویں صدی ہجری کے مشہور محقق ہیں۔ شارح نے شروع کتاب میں کہا ہے کہ متن عقائد عضدیہ ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ جس نے عقائد اسلامیہ کا کوئی عقیدہ نہیں چھوڑا۔ اس فن کے تمام مہمات اصول پر مشتمل ہے۔ یہ شرح بھی متن کی طرح مقبول ہوئی اور بہت سے اکابر نے اس پر حواشی لکھے۔

اس متن کے شرح کے عجائب میں سے یہ ہے کہ یہ متن ماتن کی آخری تصنیف ہے اور شرح شارح کی آخری تالیف (کذا فی کشف الظنون)

حاشیہ آخوند شیخ برمتن مذکور۔ یہ حاشیہ بھی نہایت عجیب و غریب حاشیہ ہے۔ یہ تینوں کتابوں کا مجموعہ طالب العلم کو علم کلام کی بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دینے والا ہے۔

دونوں جلدوں کی قیمت تین روپے آٹھ آنے (۳ روپے ۸ آنے)

غیاث اللغات مع منتخب اللغات

لغات فارسی کی مشہور و معروف کتاب ہے اس میں دو کتابیں مستقل اور نہایت بکار آمد یک جا مل جاتی ہیں۔ آج تک غیاث اللغات مع منتخب اللغات یکجا طبع نہیں ہوئی تھیں دونوں کتابوں کے تقریباً قریب مل جاتے ہیں صحت اور صفائی کیساتھ طبع ہوئی ہے۔

ہدایہ اولین محشی بحواشی مولانا عبدالحی صاحب رح

نہایت مقبول حاشیہ ہے اور تمام مدارس میں اس حاشیہ کی ہدایہ بہت پسند کی جاتی ہے۔ صحت و صفائی نہایت عمدہ ہے۔ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ جس کو احقر کی فرمائش پر طبع کیا گیا ہے۔

کاغذ بدون ... کاغذ زرد ...

مجموعہ ملا جلال و میر زاہد

یہ مجموعہ بالکل نیا طبع کرایا ہے۔ اس میں یہ کتابیں ہیں ملا جلال محشی بحواشی مولانا عبدالحی صاحب رح و حاشیہ آخوند شیخ البخاری۔ میر زاہد بر ملا جلال محشی بحواشی سابقہ۔ و کامل حاشیہ مولینا عبدالعلی بحر العلوم۔ التعلیق العجیب کامل حاشیہ الجلال المنطق التہذیب۔ کتاب خواجہ جان مع حاشیہ مولانا آخوند الشیخ البخاری۔ کتاب آخوند کلاں مع حاشیہ مولانا آخوند الشیخ البخاری۔ میر زاہد ملا جلال پڑھنے والے حضرات اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔

قیمت کاغذ مصری ... کاغذ زرد ...

شرح عقائد نسفی

محشی بحواشی متفرقہ و مع حاشیہ کامل مولانا عصام الدین رح و مولانا حسن رحمہما اللہ۔ اس کتاب پر علاوہ متفرق حواشی کے دو مستقل مکمل حاشیہ مذکورہ بالا چڑھائے گئے ہیں جن کی وجہ سے کتاب آج تک کی تمام مطبوعہ سابقہ سے فوقیت لے گئی ہے۔

قیمت کاغذ مصری ... ایضاً کاغذ زرد ...

خیالی علی شرح العقائد النسفیہ

مع حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی و خلاصۃ الایوبی و حاشیہ مولانا قرہ کمال قیمت کاغذ مصری ... ایضاً کاغذ زرد ...

ملنے کا پتہ مولوی خواجہ جلال الدین خجندی متعلم دار العلوم دیوبند حجرہ نمبر ۱۸

عاجز کے یہاں کتب ذیل بکفایت ملتی ہیں

ابواب التراجم بخاری شریف کے ۴۷ ابواب کے متعلق سلیس اردو میں عجیب تحقیقات جو حضرت مولانا نے نظر بندی کی زمانہ میں تحریر فرمائی تھی۔ اہل علم وکمال اور مدرسین ضرور طلب فرماویں یہ نادر کتاب ہے قیمت اصلی ایک روپیہ (عہ) رعایتی قیمت (۱۲)

ترجمہ کلام مجید حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ ... فرمایا ... فوائد قرآن شریف ... حضرت ... اہل اسلام پر احسان عظیم فرمایا الحاصل بیشک ان کے جواب کلام مجید کی ... معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی ظاہر ہو جائیگا کہ ترجمہ قرآن شریف کرنا ہر شخص کا کام نہیں جو مفید کتاب عام فہم سلیس اردو میں لکھا ہے لہذا جلد ضرور طلب کیجئے اصلی قیمت ۶ر رعایتی ۵ر ہے

مختصر سوانح عمری کلیات شیخ الہند جس میں انکا مطبوعہ وغیر مطبوعہ کلام بھی جمع کر دیا ہے۔ پُر زور قصائد پر درد مرثیے اور قطعات تاریخ پر جوش نظم اور مولانا کے دو خطوط بھی درج ہیں جس کو جناب حضرت مولانا مولوی سید اصغر حسین صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے جمع کر کر تالیف کیا ہے اس کی تعریف دیکھنے پر موقوف ہے ویلیو میں بہت خرچ ہوتا ہے ٹکٹ بھیجکر منگائیے قیمت ۸ر

فصل الخطاب فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں محدثانہ تحقیقات محققانہ مضامین کافی التحقیق بیش بہا رسالہ جو اکابر محدثین کی تصنیفات کا سچا نمونہ ہے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمد انور شاہ صاحب دام ظلہ العالی نے عربی زبان میں بکمال انصاف تحریر فرمایا ہے بڑے بڑے علماء بھی تامل سے سمجھتے ہیں ضخامت ۱۰۴ صفحے قیمت اعلیٰ ایک روپیہ رعایتی ۱۲ر

ضروری التماس

چونکہ متوسلین وخدام آستانہ حضرت شیخ الہند رح کی یہ شکایت عام تھی کہ حضرت کے حالات سفر کی قیمت اس قدر زیادہ رکھدی گئی ہے کہ بہت سے خدام اور شائقین کو اس کا لینا مشکل اور ان حالات کا نشر عام پر کرنا دشوار ہے حالانکہ ملک اور قوم کی خواہش یہ تھی کہ ان کو عام رکھا جائے اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ ان حالات کو پڑھکر اپنے دل کی بےچینی دفع کرے جو حضرت الشیخ کی مفارقت میں اسکو لاحق ہے۔

لہذا

اس خادم نے ان حضرات کی خواہش اور حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خوشنودی اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ مولف کتاب ہذا کی غرض اور مقصد پر نظر کر کے اسکو شائع کیا اور قیمت بجائے عہ کے ۸ر رکھدی میری دلی خواہش تھی کہ ان حالات سفر سے خدام اور متوسلین کما حقہ منتفع ہوں۔ جسکی کامل امید ہے

ملنے کا پتہ۔ محمد احمد بچھراونی غفرلہ متعلم دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور حجرہ نمبر ۱